شخصیاتِ اسلام

تصنیف

محمد رضا قادری

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

باہتمام

انجینئر محمد شکیل قادری، بیجاپور، کرناٹک

ناشر

کتب خانہ قادریہ (مبارک پور)

وخانقاہِ قادریہ چشتیہ راہِ سلوک، مراد آباد، یوپی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شخصیاتِ اسلام

تصنیف:
مفتی محمد رضا قادری
استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

باہتمام:
محترم انجینیر محمد شکیل قادری
بیجاپور، کرناٹک

ناشر:
کتب خانہ قادریہ، مبارک پور و خانقاہ قادریہ چشتیہ راہ سلوک، چاند پور، مرادآباد، یوپی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : شخصیاتِ اسلام

تصنیف : مفتی محمد رضا قادری رابطہ نمبر: 7860704491

نظر ثانی : حضرت مولانا محمد ناظم علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پروف ریڈنگ : مولانا عطاء المصطفیٰ مصباحی (بنیا پوکھر معروف گنج، گیا)

اشاعت اوّل : شعبان ۱۴۴۲ھ/ مارچ ۲۰۲۱ء

بسعی جمیل : حضرت مولانا محمد الیاس واسطی (کرناٹک)

بتعاون : جناب انجینیر محمد شکیل قادری، بیجاپور، کرناٹک

صفحات : ۱۵۲

ہدیہ : ۱۴۰/روپے

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : کتب خانہ قادریہ، مبارک پور، وخانقاہ قادریہ چشتیہ راہ سلوک مرادآباد

ملنے کے پتے
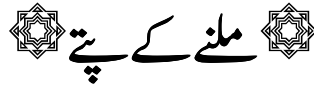
☆ سُنّی پبلی کیشنز، دریا گنج، دہلی- 09867934085

☆ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، عالیہ بلڈنگ، روم نمبر ۱۶، 7521064491

☆ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

☆ مرکزی دفاتر راشٹریہ علما کونسل، نیپال، کاٹھمنڈو، بٹول، نول پراسی، کپل وستو

☆ برکاتی منزل، حضرت مولانا محمد عیسیٰ برکاتی دام ظلہ، جنک پور وارڈ نمبر ۱، دھنوشا، نیپال

9817865996

صدقۂ جاریہ

یہ کتاب بتوسط حضرت مولانا محمد الیاس واسطی حفظہ اللہ ورعاہ، بیجاپور، کرناٹک، بتعاون انجینیر محمد شکیل قادری، ساکن بیجاپور، کرناٹک چھپ رہی ہے تاکہ انجینیر صاحب کے والد ماجد مرحوم عبدالعزیز سندگی، نوراللہ مرقدہ کی روح کو یہ صدقۂ جاریہ پہنچتا رہے۔

اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے۔ درجات بلند فرمائے اور حضرت واسطی صاحب وانجینیر صاحب کو دارین کی سعادتوں سے مالامال فرمائے۔

مشمولات

شخصیاتِ اسلام : تذکرہ نگاری کی ایک روشن قندیل

از قلم: طفیل احمد مصباحی

تذکرہ نگاری ایک دشوار، تحقیق طلب اور صبر آزما فن ہے۔ اس کی دشواریوں کا اندازہ وہ شاہین صفت افراد بخوبی لگا سکتے ہیں، جنہوں نے اس دشت کی سیاحی کی ہو اور اس خارِ مغیلاں سے اپنے پائے عزم و ہمت کو لہولہان کیا ہو۔ ضمنی حیثیت سے تذکرہ نگاری میں بیک وقت ادب کی مختلف اصناف اور متعدد شعبے سرگرمِ عمل ہوا کرتے ہیں۔ کبھی یہ تاریخ سے بحث کرتی ہے تو کبھی تحقیق کا دستر خوان بچھاتی ہے۔ کبھی یہ سیرت و سوانح کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہے اور کبھی تنقید کا نشتر چلاتی ہے۔ کبھی اس میں مواد و موضوع کی بھرمار نظر آتی ہے تو کبھی ہیئت و اسلوب کی چاشنی دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ گویا تذکرہ نگاری، نثری ادب کا وہ سدا بہار گلشن ہے جس میں گلہائے رنگا رنگ کھلے ہوتے ہیں۔ بس ضرورت ہے ذوقِ نظر کی اور اسے سلیقے سے اپنے دامن میں سمیٹنے کی۔ تذکرہ نگاری اور سوانح نگاری میں فرق ہے۔ اجمال و تفصیل اور مبالغہ و غلو سے اپنے دامنِ قلم کو بچاتے ہوئے اعتدال و توازن اور انصاف و دیانت کے ساتھ کسی عظیم علمی، ادبی اور روحانی شخصیت کی حیات و خدمات کا آئینہ قارئین کے روبرو پیش کرنا، حد درجہ دشوار کام ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں ادبی تذکروں کے علاوہ بیشمار مذہبی تذکرے لکھے گئے۔ علمِ حدیث میں اسمائے رجال، فن جرح و تعدیل، تذکرۃ الحفاظ، طبقاتِ فقہا و محدثین، طبقاتِ صوفیہ، طبقاتِ حنفیہ ، طبقاتِ شوافع وغیرہ تذکرہ نویسی کی قدیم مثالیں ہیں۔ عربی زبان و ادب کی تقلید کرتے ہوئے فارسی و اردو میں تذکرہ و سوانح کی سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں، جس کا سلسلہ تا ہنوز جاری ہے۔ " شخصیاتِ اسلام" کا تعارف و تذکرہ دراصل مذہبی تذکرہ نگاری کے ذیل میں آتا ہے، جس میں تقریباً وہی انداز و اسلوب اپنایا جاتا ہے جو ادبی تذکروں کا طرۂ امتیاز ہے۔ مذہبی تذکروں میں تذکرہ نگار مذہبی شخصیات یا بلفظِ دیگر اسلامی شخصیات کی حیات و خدمات اور ان کے فکر و فن پر گفتگو کرتے ہوئے عام طور سے اپنے ممدوح کی علمی و فنی کوتاہیوں سے صرف نظر کرتے ہیں، باقی اس کے دیگر اجزائے ترکیبی تقریباً وہی ہوتے ہیں، جو ادبی تذکروں کے ہوا کرتے ہیں۔

پروفیسر حنیف احمد نقوی شعرائے اردو کے تذکروں کی ادبی، فنی، تاریخی، سوانحی اور تنقیدی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

تذکرہ نویسی کا فن نہ تو براہ راست تاریخ نگاری کے ذیل میں آتا ہے، نہ اسے فنِ سیرت یا سوانح نگاری کے تحت رکھا جا سکتا ہے اور نہ اس کا دائرۂ کار تنقید کی طرح صرف اچھے برے کی پرکھ تک محدود ہے، بلکہ درحقیقت یہ تمام فنون یا اصنافِ ادب کا آمیزہ اور بجائے خود ایک فن یا صنفِ ادب ہے۔ تذکرہ نگار شاعر کے مختصر حالاتِ زندگی قلم بند کرتا ہے۔ اس کی شخصیت کی تعمیر میں کارفرما عوامل کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی وضع قطع اور عادات و اخلاق کی کیفیت بیان کرتا ہے اور اس کے کلام کی خوبیوں اور خامیوں پر اجمالی انداز میں تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں بطورِ نمونہ چند اشعار پیش کر کے اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ اگر تحقیق و جستجو کے دوران کسی محقق کو تذکروں کی تشنگی اور تنگ دامانی کا احساس ہو تو یہ ایسا نقص ہے جس کی بنا پر پوری صنف (تذکرہ نگاری) کو دفترِ بے معنیٰ قرار دے دیا جائے۔ اردو کی توسیع و ترقی کے لیے کی گئی کوششوں کی روداد جب بھی قلم بند کی جائے گی، تذکروں سے دامن بچا کر گذر جانا ممکن نہ ہوگا
۔

(اردو تذکرہ نگاری 1835 کے بعد، ص: 48/49، ناشر: عرشیہ پبلیکیشنز، نئی دہلی)

محققِ نیپال، ماہرِ تاریخ و تصوف حضرت مولانا حافظ و قاری مفتی محمد رضا قادری مصباحی دام ظلہ (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی) قابلِ مبارک باد ہیں جن کے خامۂ زرنگار سے زیرِ نظر کتاب "شخصیاتِ اسلام" معرضِ وجود میں آئی ہے، جو کمیت و کیفیت کے لحاظ سے عمدہ، مفید، معلوماتی اور تذکراتی ادب کے باب میں ایک خوش گوار اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ راقم الحروف گزشتہ دس سالوں سے مولانا موصوف کو جانتا ہے اور ان کی علمی و تحریری سرگرمیوں کا عینی شاہد ہے۔ منبعِ فیاض اللہ رب العزت نے انہیں علم و ادب، شعور و آگہی، فکر و دانائی، ذوقِ نظر اور تحقیقی ذہن سے نوازا ہے۔ فقہ و افتا کے تو خیر اسپیشلسٹ ہیں اور جامعہ اشرفیہ، مبارک پور جیسے عظیم علمی ادارے کے سند یافتہ مفتی ہیں۔ علاوہ ازیں قرآنیات، علمِ تفسیر اور تاریخ و تصوف ان کا خاص میدان ہے۔ تاریخی مآخذ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ساڑھے چھ سو صفحات پر

مشتمل"تاریخِ مسلم نیپال"ان کے تاریخی شعور اور تحقیقی مزاج کا منہ بولتا ثبوت ہے۔سیال قلم کے مالک ہیں۔مختلف موضوعات پر اب تک ڈھائی درجن کتابیں لکھ چکے ہیں۔اللہ رب العزت ان کی توفیقات میں دن بدن اضافہ فرمائے اور حاسدین کے حسد سے محفوظ رکھے!!!

زیرِ نظر کتاب میں مندرجہ ذیل شخصیات کے احوال و آثار اور ان کی گراں قدر علمی، دینی اور تصنیفی خدمات پر مضامین تحریر کیے گئے ہیں، جن کے عنوانات کچھ اس طرح ہیں : (1) سلطان المشائخ ؛محبوبِ الٰہی ، حضرت نظام الدین اولیا: مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نظر میں (2) حضرت غلام علی آزاد بلگرامی -عربی مضمون- (3) علامہ فضل حق خیرآبادی -عربی مضمون- (4) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی -عربی مضمون- (5) امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور ان کا تفقہ فی الدین (6) امام احمد رضا قدس سرہ کی صوفیانہ عظمت (7) دو عظیم المرتبت داعیانِ اسلام : علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی وحضرت علامہ ارشد القادری (8) حضرت علامہ مفتی محمد اشرف القادری ، نیپال اور ان کی تفسیری خدمات (9) مفتیِ اعظم نیپال حضرت علامہ مفتی محمد اشرف القادری: ایک جامعِ کمالات شخصیت (10) مولانا شیخ محمد اسید الحق محمد عاصم قادری بدایونی (12) فروغِ رضویات میں علمائے نیپال کی قلمی کاوشیں (13) محقق رضویات پروفیسر مسعود احمد نقشبندی (14) استاذ القراء جناب مولانا قاری نور الحق مبارک پوری۔

آج ہمارے یہاں دیگر علمی، ادبی اور فنی موضوعات پر مضامین و مقالات کم اور تذکرہ وسوانح پر مضامین و کتب زیادہ لکھے جاتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔اپنے اسلاف کو یاد رکھنا اور ان کی حیات و خدمات سے آنے والی نسلوں کو متعارف کرانا ضروری ہے۔لیکن المیہ یہ ہے کہ شخصیاتِ اسلام پر جو مضامین لکھے جاتے ہیں، ان میں روایتی انداز واسلوب کی بھر مار ہوتی ہے اور تحقیق و درایت کا پہلو جی چرانے اور زیادہ محنت نہ کرنے کی وجہ سے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ نیز ان شخصیات پر زیادہ مضامین تحریر کیے جاتے ہیں، جن کے بارے میں پہلے سے کئی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ گویا نام ور اسلامی شخصیات کو مزید فوکس کیا جاتا ہے اور ہمارے وہ اسلافِ کرام جو گمنامی کے پردے میں روپوش ہیں، انہیں اجاگر کرنے کی کوششیں نہیں کی جاتی ہیں۔ اس طریقۂ کار کو بدلنے کی ضرورت ہے۔مقامِ شکر واطمینان ہے کہ حضرت مفتی محمد رضا قادری نے

اپنی اس کتاب میں جن شخصیات کا تذکرہ قلم بند فرمایا ہے اور جن موضوعات پر دادِ تحقیق دی ہے، ان میں تحقیق و درایت کا پہلو تقلید و روایت پر غالب ہے۔ یوں تو کتاب کے سارے مضامین دلچسپ اور علمی و تحقیقی نوعیت کے ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ 22 / صفحات پر مشتمل مضمون "سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا دہلوی علیہ الرحمہ: تذکرہ نگاروں کی نظر میں" اپنے اندر تحقیقی مقالہ کی شان رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں فاضل مقالہ نگار نے مشہور مصنفین و مؤرخین مثلاً: ملا عبدالقادر بدایونی، ابوالفضل علائی، ابنِ بطوطہ، امیر حسن علا سجزی، مرتب لطائفِ اشرفی مولانا نظام یمنی، ضیاء الدین برنی اور سر سید احمد خان وغیرہ کی کتابوں سے حوالے پیش کیے ہیں۔ اس مقالہ کی سطر سطر سے فاضل مصنف کی ژرف نگاہی، تعمقِ نظر، تحقیقی ذوق اور تاریخی شعور مترشح ہوتا ہے۔

حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ "لطائف اشرفی" کے جامع و مرتب حضرت مولانا نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس میں انہوں نے سلطان المحققین، مخدومِ بہار حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کا شیخ، حضرت نجم الدین صغری کو بتایا ہے، جو تاریخی صداقت سے خالی اور سہوِ کتابت کا نتیجہ ہے۔ مصنفِ کتاب اس پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں : اس میں تذکرہ نگار نے کئی ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو خلافِ حقیقت ہیں۔ اولاً: شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا شیخ، نجم الدین صغری کو بنا دیا، جو خلافِ واقعہ ہے۔ دوم: جس نجم الدین صغری اور ان کی جاہ و حشمت کا ذکر یہاں کیا ہے، وہ شیخ الاسلام دہلی نجم الدین صغری ہیں، جن کا زمانہ حضرت محبوبِ الٰہی سے بہت پہلے کا ہے۔ وہ التمش (سلطان شمس الدین) کے زمانے میں تھے۔ حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین اولیا) انہیں (شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کو) کیوں ان کی (شیخ نجم الدین صغری) کی خدمت میں بھیجیں گے؟ یہاں یا تو کاتب سے سہو ہوا ہے یا بیانِ روایت میں سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ مخدوم جہاں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے سارے تذکرہ نگار حتی کہ خود صاحب مناقب الاصفیاء نے لکھا ہے کہ آپ شیخ نظام الدین اولیا کی بارگاہ سے پان لے کر شیخ نجیب الدین فردوسی (جو مخدوم جہاں کے شیخ و مرشد ہیں) کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، اس وقت پان منہ میں تھا۔ خواجہ نجیب

الدین نے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: دردہن برگ وردستار برگ وگفتار ایں کہ ماہم شیخم ۔یعنی منہ میں پان، دستار میں پان اور دعویٰ یہ کہ میں بھی شیخ ہوں۔ مناقب الاصفیاء، لطائفِ اشرفی سے یقینا بہت پہلے لکھی گئی ہے۔لہٰذا اس کے بیان کے بعد لطائف اشرفی میں درج واقعہ خود ہی بے اثر ہو جاتا ہے۔

(زیرِ نظر کتاب،ص:34،35)

اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ پر تحریر کیے گئے یہ دونوں مضمون" امام احمد رضا خان بریلوی اور ان کا تفقہ فی الدین" اور" امام احمد رضا کی صوفیانہ عظمت" کافی اہم اور معلومات افزا ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مصنف کو جزائے خیر سے نوازے اور کتاب میں مندرج شخصیات کے علمی وروحانی فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہم التحیۃ والتسلیم۔

طفیل احمد مصباحی

24/ مارچ 2021ء، بروز چہارشنبہ

السيد غلام علي اٰزاد البلغرامي

م١٢٠٠هـ/ ١٧٨٦م

حياته و نشأته: وُلد السيد غلام علي اٰزاد بن السيد نوح بن السيد فيروز بن السيد الله داد البلجرامي ببلجرام في الخامس و العشرين من صفر سنة ١١١٦هـ و نشأ بها و نما و درج في بيت كريم الأصل يجمع جلالة النسب إلى الحسين رضى الله عنه فكان الحسيني نسبا و الواسطي أصلا و البلكرامي مولدا و منشأً.(١) و جده الأعلى السيد أبو الفرح الواسطي غادر واسط إلى غزنة - بسبب ما حدث خلاف بينه و بين الأمير- مع أبنائه الأربعة السيد داؤد و السيد أبي الفراس و السيد أبي الفضائل، و السيد معزالدين و لبث فيها غير قليل حتى انقفل مع ابنه الصغير إلى واسط و أما الاٰخرون فهاجروا إلى دلهي. و نالوا الوظائف القيمة والإقطاعات الكبيرة من ملك الهند ثم ارتحل بعضهم إلى أماكن مختلفة، فحسين بن أبي الفرح الثاني حفيده السيد محمد بن علي توجه إلى بلكرام مع جحفله و قاتل ملك بلكرام سري راجه بإذن الملك شمس الدين ألتمش و مساعدته و هزمهم. و بعد أن فُتحت بلكرام قَدّم الملك شمس الدين ألتمش إلى السيد محمد صغري جد سادات بلكرام و مارهره و مسولي، سرى نگر، هديةً له و معترفا بفضله فاتخذها مقرا له و سماها بلغرام كما وصفها السيد عبدالواحد في شعره.

چون اٰمد دریں خاك سید أنام
سرى نگر را نام شد بلگرام
(روضة الكرام)

---

١) سجة المرجان

و نجم فطانته يتلألأ على ناصيته منذ نعومة أظفاره.

تلقى الدروس الأولية على الشيخ السيد مير طفيل أحمد الأترولوي البلغرامي و أخذ مبادي العلوم العربية و الأدبية و الشرعية والعقلية عن جده الكريم من جهة أمه السيد مير عبدالجليل البلكرامي (١٠٧١هـ-١١٣٨هـ). وحذق في مراحل حياته ومواطن رحلاته الأدب و الحديث والفقه. جاب الأقطار وطاف البلاد لطلب العلم، و شد الرحال إلى المدينة المنورة حيث التقى بالمحدث الجليل الشيخ محمد حيات السندي الذي هاجر من الهند إلى المدينة و قرأ عليه صحيح البخاري و نال إجازة الصحاح الستة و سائر مقرواته.

فضل حق الخيرآبادي

١٧٩٧-١٨٦١م

١٢١٢-١٢٧٨ه

نشأته وحياته: هوالأستاذ المطلق، الشيخ فضل حق بن فضل إمام بن القاضي محمد أرشد الهرغامي ولد بقرية خيرآباد من أعمال مديرية سيتافور (الحالية) بولاية أترابراديش الهند من بيت عريق في المجد، أصيل في القضاء عام ١٢١٢ه-١٧٩٧م . تلقى دروسه الأولية في كتاب قريته ثم قدم دلهي مع أبيه الشيخ فضل إمام.

و نشأ في أسرة كريمة بالدين جليل بالفقه والحكمة توارث أهلها قضاء الشريعة ونقابة الصوفية قرونا طويلا. ينتهي نسبه إلى أميرالمؤمنين عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه عن طريق اثنتين و ثلاثين سلسلةً. رحل الشقيقان من سلالات الخليفة الثاني بهاء الدين و شمس الدين بن شير الملك بن عطاء الملك الفاروقي من إيران إلى الهند. فتولى شمس الدين منصب الإفتاء برهتك (في ولاية بنجاب سابقا و ولاية هاريانا حاليا) و منه انحدرت عائلة الشيخ ولي الله المحدث الدهلوي و بهاء الدين تقلد منصب الإفتاء و القضاء في بدايون (مدينة في ولاية أترابراديش) من أحفاده الشيخ فضل إمام الخيرآبادي. تخرج على أبيه في الفقه و أصوله و العربية و اٰدابها و الفلسفة و هو ابن ثلثة عشر عاما و استظهر القراٰن الكريم في أربعة شهور، و حفظ أربعين ألف بيت من العصر الجاهلي،(١) و أخذ الحديث و التفسير عن الشيخ عبدالقادر المحدث الدهلوي و

(١) مظهر العلماء في تراجم العلماء والكملاء، مولانا السيد محمد حسين البدايوني (م:١٩١٨م) ص ٣٠٢، ذكر مولانا فضل حق الخيرابادي، الصادرة: من مكتبة جام نور دلهي

الشيخ عبدالعزيز المحدث الدهلوي حيث رافقه زميله المفتي صدرالدين خان اٰزرده، و بايع على يد الشيخ دهومن الدهلوي في الطريقة الجشتية. و انقطع إلى النظر في الفلسفة و الكلام حتى توسط باحتها و شارف غايتها. ثم بدأ حياته الدراسية سنة ١٢٢٥هـ/١٨١٠ء و كرس نفسه لدرس الفلسفة و المنطق و ازداد الاشتغال بالمنطق و الفلسفة حتى طار صيته في أنحاء البلاد في أمد يسير و أصبح إماما في العلوم العقلية و النقلية و اللسانية. و أخذ الطلاب يفدون إليه من كل قاص و دان، فزين الفلسفة القديمة و شرحها. و قام بتحشية رسالة مير زاهد و مير زاهد ملا جلال و أفق المبين و حاشية تلخيص الشفاء، حاشية قاضي مبارك.

مؤلفاته: ألف العلامة فضل حق الهدية السعيدية و الجنس العالي، شرح تهذيب الكلام و الروض المجود في المنطق و تحقيق الفتوى في إبطال الطغوٰى (ردا على إسمٰعيل الدهلوي) و امتناع النظير في علم الكلام و الثورة الهندية (بالنثر العربي) التي حظيت بالمكانة المرموقة بين الأوساط العلمية.

رحلته: قاد حركة استقلال الهند من الإنجليز و أفتى بالجهاد من الأفرنج المحتل و هز كيان المسلمين في الهند على تحرير الدولة المحتلة و أضرم الثورة الهندية فأوجس الإنجليز خيفة من هٰذه النزعة و حبسه ثم طرده إلى جزيرة إندمان حتى جاءته المنية سنة ١٨٦١م.

الإمام أحمد رضا القادری البریلوی

١٨٥٦ - ١٩٢١م/ ١٣٤٠-١٢٧٢ھ

أعماله: ولد الشيخ الإمام أحمد رضا بن مولانا نقي علي خان بن مولانا رضا علي خان بن الحافظ كاظم علي خان بن محمد أعظم خان بن سعادت يار خان بن سعيد الله خان القندهاري الأفغاني بقرية بريلي بولاية أترابراديش ببلاد الهند في العاشر من شوال ١٢٧٢ھ المصادف 14 يوليو 1856م قبل الثور الهندية بعام يرجع أصله إلى قندهار في أفغانستان. هاجرجده الأعلى قندهار إلى لاهور فبريلي وتقطن فيها. وكان أبوه مولانا نقي علي خان درج في بيئة تعتز بالعلوم الدينية منذ قرن فأكثر وتفتخر بطابع الشجاعة من حرية وحمية وأريحية و أنفية تلقى جميع ما كانت نافقة من العلوم العربية والأدبية والشرعية والعقلية لدى أبيه الكريم و حذق فيها وتخرج فيها ولم يكد يبلغ من عمره ١٤ سنة ثم أخذ يفتي في دارالإفتاء فيما يوجه إليه من الأسئلة الحائره الغامضة بكل براعة ودقة. واستفاد من شيخ الشيوخ السيد الشريف آل رسول المارهروي والعلامة أحمد بن زين دحلان مفتي المكة المكرمة والشيخ عبدالرحمن المكي والشيخ حسين بن صالح جمل الليل المكي والشيخ السيد أبي الحسين أحمد النوري الهندي رحمهم الله تعالى. أخذ بعض العلوم النافعة في عصره من الأعلام البارعين و ألم بما عداها بالإكباب والعكوف على الدراسة تلقائيا. وإنما لم يتبرع فيما ينيف على الخمسين من العلوم والفنون الحائرة العسيرة الفهم بل صنف في كل فن من الكتب النافعة الخالدة. وبعد أن حصل الإمام على قدر صالح من العلوم الدينية أجاب عن مسئلة الرضاعة وقدمها إلى حضرة أبيه فختم بصحتها وفوض إليه

مسئولية الإفتاء فهب يكتب الفتاوىٰ منذ ذلك اليوم إلى أن قضى نحبه. تحتوي فتاواه على ١٢ مجلدا ضخما يصح أن يطلق عليه الموسوعة الفقهية الكبرىٰ وخصه باسم "العطايا النبوية في الفتاوى الرضوية" يلوح بها أثر الإلهام لأن الله تعالى عصم يراعه عن الزلات. و علّق على ردالمحتار لابن عابدين الشامي في خمس مجلدات. ففتح ما أغلق و فسر ما غمض و نقح ما أشكل فأفاد برأيه و زاد على ما كتبه العلامة مستدركا ما فاته منه. و ترجم القرأن الكريم ترجمه تفسيرية تكشف القناع عن وجهه و تزيح الستار عن مخبأته و ترشد إلى مراده .

وانتقد الذين سبوا الله تعالى وافتروا عليه الكذب حتى استفرغ وسعه فيه وكتب خمس رسائل بما فيها سبحان السبوح عن عيب كذب مقبوح ردا على تجوز الكذب في حق الله تعالى. ورد على المجسمين بقوارع القهار على المجسمة الفجار، والكلمة الملهمة على الفلاسفة القديمة. وحاسب حسابا شديدا الذين يشتمون الصحابة الكرام وأهل بيت النبوة والأئمة المجتهدين والأولياء الكاملين. و أنجز رسائل مختلفة ضدالطائفة القاديانية الطاغية التي نمت و درجت في حضانة الأفرنج و برزت في أواخر القرن التاسع عشر من قاديان من أعمال بنجاب الهند.

وها هي: (١)جزاء الله عدوه لإبائه ختم النبوة (٢) قهرالديان على مرتد بقاديان (٣) المبين معنى ختم النبيين (٤) السوء والعقاب على المسيح الكذاب (5) الجراز الدياني على المرتد القادياني.

جاهد الإمام ضد ما كان يوجد من البدع والأضاليل في عصره. و استاصل جذور المؤامرات ضد الإسلام والمسلمين. وجملة القول أنه لم يال جهدا في الذب عن الإسلام والمسلمين في أي مجال ما وأفنى حياته فيه.

صفاته و أخلاقه: كان الإمام ربع القامة، أسمر اللون، قوي البنية، ذكي

الخاطرة، شديد العارضة، قوي الحافظة، سريع القلم، حاضر البديهة، مرضي الخلق، مشاركا في كل علم وفن، جامعا بين البليد والطريف، بل كان شخصية موسوعية قلما ينجب الدهر مثله.

الفقيه العبقري: تثبت له البراعة فيما كان رائجا من العلوم الدينية كالتفسير (١) والحديث (٢) والفقه (٣) والكلام (٤) والتصوف (٥) والتاريخ (٦) والسيرة (٧) والمعاني (٨) والبيان (٩) والبديع (١٠) والعروض (١١) والحساب (١٢) والتوقيت (١٣) والهيئة (١٤) والمنطق (١٥) والفلسفة (١٦) وما إلى ذلك.

وليس هذا فحسب بل أحرز قصب السبق في الطب، والجفر، والتكسير، والرمل، والزيجات، والجبر، والمقابلة، و لوغارثم، و أرثماطيقي، والمثلث الكروي وما إلى ذلك. هذه علوم لا يدركها علماء الزمان.

رحلته: ارتحل إلى دار القرار في الخامس و العشرين من صفر المظفر ١٣٤٠هـ.

الشیخ أسید الحق محمد عاصم القادری العثمانی البدایونی

شخصية عبقرية هندية

١٣٩٥ - ١٤٣٥هـ/ ١٩٧٥ - ٢٠١٤م

محمد رضا القادري المصباحي

عميد جامعة حضرت نظام الدين اولياء ، دلهي الجديدة

نشأته وحياته: ولد الشيخ محمد عاصم القادري الملقب بأسيد الحق بن الشيخ محمد سالم القادري بمحلة مولوي في مدينة بدايون من إقليم أترابراديش (الهند) في ٢٣ ربيع الثاني ١٣٩٥هـ/ ٦ مايو ١٩٧٥م و نشأ في بيت عريق بالمجد جليل بالفقه والدين. توارث أهله قضاء الشريعة و نقابة الصوفية منذ قرابة ثمان مائة سنة. ينتهي نَسَبُه إلى جامع القران، الخليفة الثالث في الإسلام صهر رسول الله ﷺ سيدنا عثمان بن عفان رضي الله عنه. انتقل جده الأعلى الشيخ دانيال القطري من العرب إلى الهند في زمن الملك العادل، شمس الإسلام، شمس الدين التمش نورالله ضريحه في بداية القرن الثالث عشر (١٢١١ ـ ١٢٣٥م) وألقى عصا الترحال ببدايون و اتخذها دار إقامته، التي كانت يومئذ مدينة الأولياء و الصوفية وكعبة طلاب الفقه و مقر المحدثين. فتولى قضاء الشريعة و لم يزل يتولى أخلافه هذا المنصب الخطير على مر الدهور. وكان جد جده و جد أبيه سيف الله المسلول العلامة فضل رسول القادري و تاج الفحول العلامة عبدالقادر العثماني البدايوني من عباقرة أعلام الهند يعتز عليها تاريخ الهند الإسلامي.

تلقى دروسه الأولية في كتاب قريته وهو يومئذ كان مهدي العلم و منتدى الأدب، ثم التحق بالمدرسة القادرية في بدايون التي أنشأها جد جده سيف الله المسلول، الشيخ العلامة فضل رسول البدايوني (صاحب المعتقد المنتقد) فاستظهر القران الكريم و أخذ فيها مبادي العلوم العربية والفارسية والشرعية

والعقلية و ألم باللغات الإنجليزية و الهندية على منهاج محيط شامل في ظل عباقرة الزمان فقد تلمذ فيها على إمام المنطق و الكلام، الشيخ خواجه مظفر حسين الرضوي و فقيه العصر المفتي محمد مطيع الرحمن الرضوي و غيرهما. و تبحر في العلوم الشرعية و العقلية. بعد أن أنهى المقررات الدراسية النافقة في مدارس أصقاع الهند المختلفة و استكملت عدته و استحصدت قوته غادر بدايون و شد الرحال إلى دار العلوم نور الحق جره محمد فور الواقعة في مديرية فيض آباد لتوسيع المدارك و تعميق النظر في علوم الفلسفة. حيث كان إمام المنطق و الكلام، الشيخ خواجه مظفر حسين الرضوي (٢٠١٣ - ١٩٣١ م) تلميذ ملك العلماء الشيخ السيد ظفر الدين البهاري رحمة الله عليه و هو من أجلة خلفاء و تلامذة المجدد القرن الرابع عشر حجة الله على الأرض الشيخ الإمام أحمد رضا القادري الحنفي قدس سره، متربعا على عرش العلوم الرياضية والفلكية يعطر أريجه العلمي في بلاد الهند ويرد شرعته أذكياء الطلاب من كل حوب وصوب و ينهلون من منهله العذب و يتهافتون عليه تهافت الفرش على السرج، فطفق الشيخ يرتوي من منبعه الصافي زمنا طويلا حتى نال قسطا موفورا من العلوم العقلية فاستجلى غوامضها و استقصى مباحثها حتى أصبح فيها قريع دهره و نسيج وحده بالإضافة إلى ذلك كان ينزع إلى الشعر و الأدب فيحفظ الأشعار و يتصيد الشوارد و يصوغ

القريض و ينشأ الرسائل فاشتهر بذكاء قريحته و روعة أسلوبه ثم يمم إلى مصر فأرسله أبوه إلى جامعة الأزهر الشريف عام ١٩٩٩م للحصول على الدراسات العليا و هي من أعرق الجامعات الكبرى الإسلامية في العالم، بناها جوهر الصقلي بعد ما خط القاهرة عام ٣٨٥ه في عهد الفاطميين و هي تذكي أشعة علم الدين في أنحاء العالم تجلت فيها عبقريته و ذاعت بين الناس شهرته لبث فيها خمس سنين مكبا على الدرس، مجدا في التحصيل، آخذا عن جهابذة اللغة و الشريعة و الرواية حتى أحصى مسائل العلوم و استبطن دخائل الفنون و أصبح في العلوم الشرعية و الأدبية منقطع القرين. حصل على شهادة الإجازة من كلية أصول الدين في قسم التفسير و علوم القران عام ٢٠٠٢م ثم حصل على شهادة الاختصاص في الإفتاء من دار الإفتاء المصرية عام ٢٠٠٤م. و عاد سنة ٢٠٠٤م إلى الهند و حصل على شهادة الماجستير في العلوم الإسلامية من الجامعة الملية الإسلامية، دلهي الجديدة واستقر في بدايون و اختير مدرسا في المدرسة القادرية. فعادت إليه رئاسة التدريس و مشيخة الحديث.

صفته وأخلاقه: كان الشيخ ربع القامة، أسمر اللون، مشرق الجبهة، كبير العينين، حاد البصر، جميل الوجه، وسيم البشرة، دائم الابتسام، حسن البزة، أشم، أسود اللحية، قوي البنية، متناسب الأعضاء، متناسق الفكرة، بليغ العبارة، فصيح اللسان، ذكي الفؤاد، قوي الذاكرة، سريع الفطنة، حاضر البديهة، شديد المعارضة، قوي الحجة، دمث الطبع، متواضع النفس، رحب الصدر، جم المروئة، مرهف الذهن، سباقا إلى الفضل، كثير الدعوة إلى الخير، ضليعا في الشعر و الأدب، مشاركا في كل علم و فن، فهو في الحقيقة كان شخصية عبقرية نابغة يمتاز بغزارة علمه و صفاء عقله و قوة جأشه عن أنداده و أقرانه.

علمه وأدبه: كان راسخ القدم في علوم عصره، ثابت البصيرة على موقفه، عند ما نسرح النظر إلى إنجازاته العلمية والفكرية الهائلة المستغرقة عشر سنوات حول شتى المواضيع الحادة الحديثة فندهش و نتحير على كثرتها و وفرة عددها مع قصر فترتها. فنفثت رشحات أقلامه عشرات من الكتب النفيسة على موضوع التفسير والحديث والكلام والنقد والتاريخ واللغة و الشعر والأدب فأنجز حوالي عشرين كتابا من نفثات أقلامه و مما قام بترجمته من العربية والفارسية إلى الأردية والتسهيل والتخريج و التحقيق والترتيب والتقديم يربي على سبعين سفرا من أسفار أبائه و أسلافه.

عندما يعثر القاري على تدقيقاته العلمية وأبحاثه العالية في علوم التفسير والحديث و الكلام يضطر إلى القول بكل صراحة إنه كان محدثا و مفسرا ومتكلما

فمن يرتاب في هذا الكلام فليراجع إلى تحقيق وتفهيم والتفسير العلمي للقرأن الكريم وحديث افتراق الأمة (دراسة تحليلية نقدية) وغيرها من مصنفاته.

كفى بنبوغه و علو كعبه في العلوم القديمة و الجديدة انتقاداته التي قام بها على صفحات مجلة جام نور الشهرية الصادرة من دلهي ونالت قبولا حسنا بين الأوساط العلمية و الأدبية في شبه القارة الهندية، فكان يتعقب فيها الكتاب والشعراء و يدلهم على الأخطاء والزلات ويرشدهم إلى الصواب وكثيرا ما يحتدم الجدل بين كاتبين أو باحثين في تصحيح رواية أو تنقيح نص أو استخدام لفظة أو تقديم تعبير فيحاكم بينهما بحكمة بالغة فينحسر النزاع. وبفضل هذا النقد شعرالأدباء والشعراء بمراقبة النقد فأخذوا أنفسهم بالفحص والتدقيق والمراجعة واستفاد الناشئون

والباحثون مما أحصاه من الأخطاء الشائعة في لغة الجرائد و الكتب فنضج عقل الصحافة الإسلامية الهندية و قلت الأخطاء. و ربما يخشى الكتاب إرسال البحوث للطباعة في هذه المجلة خشية قلمه الجارف السائل. جمعها في مجموعة سماها خامه تلاشي مبتدأة من شهر إبريل ٢٠٠٥م و مستمرة إلى كانون الأول ٢٠٠٧ م كان لنقده مزايا خاصة لانراها لأحد في ذلك الزمان فكان ينتقد بأسلوب رائع يأسر الأذهان ويستهوي القلوب فيخيل إلى القاري أنه يمدح مقالته ويذكر مميزات كتابته؛ لأنه في الحقيقة لايهدف بالنقد إلى تنقيص كلامه وتحقير أسلوبه، بل يصرف همه إلى تحسين لفظه وتزيين كلامه وتحريض مخيلته وكيانه، لذا شبه هذا الطابور بعض رجال العلم والنقد بطابورات خامه بگوش" لمشفق خواجه (كراتشي). وقلم قتلے من چتان لأغاسورش الكاشميري و مطائبات زميندار لمولانا ظفر علي خان و غبار خاطر لمولانا ابوالكلام آزاد و بانگ قلمم دريں شب تار لفيضي الشاعر في بلاط ملك المغول أكبر. كما تشهد عليه تعليقات مولانا إقبال أحمد الفاروقي (رئيس التحرير لمجلة جهان رضا الصادرة من المكتبة النبوية شارع غنج بخش لاهور (باكستان) وقد شبهه البروفيسور فاروق أحمد الصديقي، رئيس قسم اللغة الأردية في جامعة بهار مظفرفور وغيره من رجال النقد بطابور خامه بگوش الأدبي للناقد العظيم خواجه مشفق وأقروا بجلالة علمه وسعة اطلاعه.

وفاته: كان الشيخ في زيارة للعراق المقدسة و زيارة الأولياء و الصوفية مع أبيه الشيخ عبدالحميد محمد سالم القادري و أخيه الشيخ عبدالغني عطيف القادري و مجموعة من المتوسلين فكانوا يذهبون إلى إربل على مسافة ٣٠٠ كم من بغداد لزيارة نقيب الأشراف السيد الشريف توفيق

عدنان الغيلاني حفظه الله ورعاه و كانوا في طريق حتى هجم على سيارتهم المتطرفون الإرهابيون و أطلقوا عليهم الرصاص حتى أصاب راسه وهو غارق في مطالعة الأربعين النووية الذي أهداه الشيخ علي بن حمود المربي الرفاعي حتى فاجأته المنية وجرح بعض من يستصحبه. ولم يكد يبلغ من عمره أربعين سنة.

وقعت هذه الحادثة في الرابع من مارس على الساعة الثانية و النصف ظهرا- ٢٠١٤م. لما اغتيل الشيخ انتشر هذا النبأ الفجيع عبرالقناة والتلفزيون و وسائل الإعلام الأخرى في مشارق الأرض ومغاربها مثل اشتعال النار في جزل الغضا. يكاد لا يصدقه أحد. كان لهذا النبأ رن وطنين أدهش جميع العالم الإسلامي. وفي السادس من مارس صلي عليه أبوه الشيخ مولانا محمد سالم القادري نقيب الزاوية القادرية في بدايون. ودفن بجوار مقبرة الغوث الأعظم الشيخ عبدالقادر الجيلاني رضي الله عنه في بغداد المقدسة. ولقد صدق من قال: كل شي يرجع إلى أصله. ثبت بذلك أن طينته أخذت من بغداد ثم أعيدت إليها. ومن أصدق من الله قيلا حيث قال: منها خلقنٰكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرٰى .

سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی ،مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کی نظر میں

مفتی محمد رضا قادری مصباحی
استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

خواجہ نظام الدین اولیا کا عہد- پس منظر و پیش منظر

ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی کے نصف اول کو عالم اسلام کے لیے تاریک ترین دور قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی عہد میں عالم اسلام کی تباہی مغلوں کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہونچی۔ حضرت سلطان المشائخ کی ولادت سے تقریباً ۲۰ رسال قبل منگولیا کے وحشی تاتاریوں کا لشکر اپنے سردار ''چنگیز خان'' کی قیادت میں ''صحراے گوبی'' سے نکل کر ترکستان، کاشغر، ماوراء النہر، بخاری، سمرقند، خوارزم، ری، ہمذان، قزوین، آذربیجان، مَراغہ، دربندِ شِروان، قبچاق، روس، خراسان، غزنہ، بلخ، ہرات اور تبریز کو تاخت و تاراج کرتا ہوا سلطنت عباسیہ کے دار السلطنت بغداد (عراق) کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ابن الاثیر کے مطابق مذکورہ تمام بلاد کی تباہی اور ویرانی ۶۱۷ھ میں چنگیز کی قیادت میں ہوئی سوائے قبۃ الاسلام عراق کے۔ وہ ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں اس کے پوتے ہلاکو خان کے ہاتھوں تاراج ہوا۔[1] ان تاتاریوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے سارے نشانات مٹا ڈالے، اس قدر خوں ریزی کی کہ مؤرخ ابن الاثیر ابوالحسن علی بن ابی الکرم شیبانی کو لکھنا پڑا:

میں کئی سالوں تک اس حادثہ کے ذکر سے اعراض کرتا رہا اور اس کے ذکر کو ناپسند کرتا رہا اور کش مکش میں مبتلا رہا۔۔۔ اگر کوئی یہ کہے کہ از آدم تا ایں دم ایسا واقعہ روے زمین پر پیش نہ آیا تو کچھ بھی غلط نہ ہوگا۔ لقد بقیت عدۃ سنین مُعرضا عن ذکر ھٰذہ الحادثۃ استعظاما لھا، کارھا لذکرھا، فأنا أقدم إلیہ رجلا و أؤخر أخرٰی ..... فلو قال قائل: إن العالم منذ خلق اللہ سبحانہ و تعالی اٰدم، و إلی الاٰن، لم

1) دیکھیے الکامل في التاریخ، ابن الاثیر، ج ۱۲، ذکر خروج التتر إلی بلاد الإسلام، ثم دخلت سنۃ سبع عشرۃ وستمائۃ، ص ۳۵۸ تا ۴۰۰، مطبوعہ دار صادر، بیروت، ۱۹۸۲ء

يُبتَلَوا بمثلها، لكان صادقا، فإن التواريخ لم تتضمن ما يقاربها و لا ما يُدانيها ۔ (۱)

شیخ سعدی شیرازی (۵۷۱ھ-۶۹۱) جنھوں نے بچشم خود اس طوفان بلا خیز کو دیکھا تھا اس طرح مرثیہ خوانی کی:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر سقوط ملک مستعصم امیر المؤمنین

تاتاریوں کی اس یلغار سے مسلمانوں کی سات سو سالہ سطوت وشوکت خاک میں مل گئی۔ بڑے بڑے شریف ونجیب خانوادے جان بچا کر دوسرے محفوظ ملکوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے۔ مؤرخ ابن الأثیر کے بیان کے مطابق حضرت سلطان المشائخ کا آبائی وطن ''ازبکستان'' میں دریاے زرافشاں کی زیریں گزرگاہ پر ایک شاداب نخلستان میں واقع ''شہر بخاری'' ۶۱۷ھ میں مغلوں کے ہاتھوں تاراج ہوا۔ (۲) قبل اس کے کہ یہ آندھی بخاری پہونچتی آپ کے جد اعلی خواجہ سید علی بخاری اور نانا خواجہ عرب بخاری نے ہندوستان ہجرت کی۔ جہاں ان دنوں خواجۂ ہند الولی کی روحانیت کے زیر اثر اور شہاب الدین محمد غوری (م ۱۲۰۵ء)، فرمانرواے غزنہ و خراسان کے ہاتھوں ایک مضبوط و مستحکم مسلم سلطنت وجود میں آچکی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے ہندوستان کے لاہور میں قیام کیا، وہاں سورش زیادہ تھی وہاں سے منتقل ہوکر دہلی کے نواح میں واقع ایک مردم خیز خطہ ''بدایوں'' میں سکونت پذیر ہوئے۔ اس وقت ہندوستان کے تخت پر عظیم عالم وصوفی فرماں روا، سلطان شمس الدین التمش چشتی (زمانۂ حکومت ۱۲۱۰ء-۱۲۳۵ء) متمکن تھے۔

بدایوں کی تاریخی وعلمی حیثیت

---

۱) ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۱۲، ص ۶۱۷، ذکر خروج التتر إلی بلاد الإسلام، مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۹۸۲ء

۲) ابن الأثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۱۲، ص ۲۶۵، ذکر خروج التتر إلی بلاد الإسلام، مطبوعہ دار صادر، بیروت ۱۹۸۲ء

بدایوں وہ شہر تھا جسے راجہ بدّھا نے جو اشوک سمراٹ (۲۷۳-۲۳۲ ق م) کا باج گزار تھا اپنا دارالحکومت بنایا تھا، اس وقت بدایوں کا نام ''ویدامئو'' تھا۔ ۳۸۸ھ تا ۴۲۱ھ کے درمیان محمود غزنوی نے ہندوستان پر کئی بار یلغار کی، ۴۰۹ھ میں ایک حملہ کے دوران سلطانی فوج کے کچھ چوپائے اور بار بردار جانور راستہ بھٹک کر ویدامئو پہونچ گئے جسے راجہ چندر پال نے اپنی حراست میں لے لیا۔(۱) بعض تذکرہ نگاروں نے اس شہر پر سید سالار مسعود غازی کے ۴۲۱ھ میں حملے کا ذکر کیا ہے تاہم قدیم تاریخی مصادر سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، البتہ قدیم شہدا کے مزارات وہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ بدایوں کے بارے میں اہل علم کا تاثر یہ ہے کہ یہ زمین شہدائے اسلام کے خون سے لالہ زار ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصحفی نے کہا تھا ؎

قاتل تری گلی بھی بدایوں سے کم نہیں
جس کی گلی گلی میں مزار شہید ہے

کسی زمانہ میں اس شہر پر قنوج کے راجہ جے دیو نے قبضہ کر لیا تھا اور اس کی اولاد نے کئی پشتوں تک حکمرانی کی۔ اس خاندان کا آخری راجہ دھرم پال ہوا جس کے عہد میں قلعہ کا نام ''کوٹ بھداؤں'' ہوا جو بعد میں ترقی پا کر بداون ہوا اور پھر بدایوں کہلایا۔ فاتح ہندوستان، شہاب الدین محمد اول بن سام کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک (عہد ۱۲۰۵ء-۱۲۱۰ء) نے ۵۹۹ھ/ ۱۱۸۸ء میں بھداؤں پر قبضہ کر کے دھرم پال کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح بدایوں مسلم قلمرو میں شامل ہوا۔(۲)

قطب الدین ایبک کے عہد میں جب التمش اس شہر کے گورنر بنائے گئے تو اس شہر کی عظمت میں چار چاند لگ گئے، کیوں کہ وہ خود ذی علم تھے۔ ان کی علما اور معارف پروری نے اس شہر کو علما، صلحا، صوفیہ، فقہا، شعرا اور نابغۂ روزگار شخصیات کا مولد و مسکن بنا کر ''قُبّۃ الاسلام'' کا خطاب عطا کیا، اس کی بنا کی ہوئی شمسی جامع مسجد آج بھی اس شہر کی عظمت رفتہ کا پتہ دیتی ہے۔ التمش کے عہد میمون میں پوری دنیائے اسلام سے شریف و نجیب خانوادے اور اہل قلوب اس کی طرف کھینچ کر آنے لگے۔

۱) مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، محبوب الٰہی، ص ۲۰، سلسلۂ بیت الحکمت، گھوسی
۲) مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، محبوب الٰہی، ص ۲۰، سلسلۂ بیت الحکمت، گھوسی

عرب کی سرزمین سے مورث اعلیٰ خانوادۂ عثمانی بدایونی شیخ دانیال قطری (م ۶۱۸ھ ر ۱۲۲۱،۲ء) [۱] تبریز (ایران) سے شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی (م ۱۲۴۴ء) خلیفہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی، بخارا سے سید علی وخواجہ عرب بخاری، ترمذ کے شہر ''صغان'' سے محدث جلیل، صاحب مشارق الانوار، امام رضی الدین حسن صغانی (م ۶۵۰ھ) یمن سے سلطان العارفین خواجہ سید حسن شاہی موے تاب ابن سید عزالدین احمد یمنی (۶۳۲ھ) نَخْشَبْ (ایران) سے شیخ عزیز کوتوال (م ۶۸۸ھ) نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے اس شہر کو رونق بخش کر رشک بغداد وقرطبہ بنادیا۔ اس کے بعد بھی سینکڑوں سال تک بدایوں کی سرزمین نے ایسے دُرَرہاے شہوار پیدا کیے کہ جن کی چمک دمک نے اہل دل کی نگاہوں کو خیرہ کردیا۔

قبلۂ اہل تمکین، کعبۂ اہل تکوین، غوث زماں، سلطان المشائخ محبوب الٰہی، نظام الملت و الدین خواجہ محمد نظام الدین اولیا ابن خواجہ سید احمد ابن خواجہ سید علی بخاری کی ولادت اسی گہوارۂ علم وادب اور سرچشمۂ فقہ وتصوف میں ۲۷ر صفر المظفر ۶۳۶ھ کو بروز چہار شنبہ ہوئی۔ پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت ان ہاتھوں میں ہوئی جو خود بھی یکتاے روزگار تھے، خاندانی مجد و شرافت، طہارت نسبی، سیادت اور بدایوں کی مشکبار روحانی اور علمی فضا نے آپ کی شخصیت کی تعمیر میں جو کردار ادا کیا ہوگا اس کو اہل نظر بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ سب انجمن آرائیاں اسی دولہا کی بارات سجانے کے لیے تھیں جسے دہلی کی پیشانی کا جھومر بننا تھا، جسے ہندوستان کی کشور کشائی کرنی تھی، جن کی ذات سے ہندوستان کو ایک نئی شناخت ملنے والی تھی، دلّی تو دلہن بنی اور دولہا نظام الدین ہے۔ یہ معاملہ بغیر تشبیہ کے ایسے ہی تھا جیسے بعثت مصطفی ﷺ سے پہلے شہر مکہ کو کعبہ، حجر اسود، مقام ابراہیم اور چاہ زمزم سے آراستہ کردیا گیا۔

بدایوں میں خواجہ شادی مقری سے قرآن مجید اور قدوری شریف تک ظاہری علوم کی تکمیل

---

۱) اکمل التاریخ مصنفہ: مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری بدایونی، مرقومہ ۱۳۳۳ھ ر ۱۹۱۴ء کے ص ۴۴ پر حاشیے میں تسلیم غوری کے حوالے سے مکتوب ہے: تاریخ بنی حمید فارسی، مصنفہ شاہ شرف علی صدیقی حمیدی مرتبہ ۱۳۲۸ھ کے آخر میں قاضیان شہر بدایوں کی فہرست دی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۱۸ھ، (۱۲۲۱،۲ء) قاضی دانیال قطری عثمانی کا سال وصال ہے۔

متبحر عالم دین علامہ علاء الدین اصولی تلمیذ شیخ جلال الدین تبریزی سہروردی سے فرما کر ۱۶؍سال کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔(۱) دہلی میں مستوفی الممالک، شمس الدین خوارزمی سے مقامات حریری، مولانا محمد بن احمد ماریکلی (گجراتی) معروف بہ کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ/ ۱۲۸۵ء) تلمیذ شیخ رضی الدین حسن صغانی (م ۶۵۰ھ) سے نجم الدین ابوبکر تلواسی کی مسجد میں ''مشارق الانوار'' کا درس لیا۔ آپ نے قاضی منہاج السراج جوزجانی ترکستانی مصنف طبقات ناصری کے تذکیری مجالس سے بھی استفادہ کیا۔ ۲۰؍سال کی عمر میں اجودھن تشریف لے گئے اور شیخ المشائخ بابا فرید الدین مسعود ابن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب کابلی فاروقی، خلیفہ قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خلیفۂ برحق سلطان الہند خواجہ غریب نواز قدست اُسرارھم کے ہاتھ پر بیعت کی اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد درجۂ کمال پر پہونچے۔تقریبا ۷۳؍برسوں تک حیات ظاہری میں آپ کا قیام دہلی میں رہا، اس طویل مدت میں نو بادشاہوں کا زمانہ آپ نے پایا۔ ناصر الدین محمود (۱۲۴۶ء-۱۲۶۶ء) کے عہد میں آپ دہلی وارد ہوئے، غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶ء-۱۲۸۷ء) اور معز الدین کیقُباد (۱۲۸۷ء-۱۲۹۰ء) کے عہد میں مشغول ریاضت رہے۔ جلال الدین خلجی (۱۲۹۰ء-۱۲۹۵ء) کے عہد میں آپ کی بزرگی کا شہرہ ہوا، علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء-۱۳۱۵ء) کے عہد میں آپ کی عظمت سلاطین وامرا سب پر آشکار ہوگئی۔ بادشاہ خود معتقد ہوا۔ قطب الدین مبارک (۱۳۱۶ء-۱۳۲۰ء) ناصر الدین خسرو (۱۳۲۰ء ۱۳۲۰ء) اور غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء- ۱۳۲۴ء) کے عہد میں آپ کو کڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اور محمد ثالث بن تغلق (۱۳۲۴ء-۱۳۵۱ء) کے عہد میں آپ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

حضرت محبوب الٰہی، اقلیم ولایت کے تاجدار اور اپنے عہد کے سرخیل صوفیہ تھے۔ علوم ظاہر

---

۱) ہمارے عہد کے مشہور عالم دین تذکرہ نگار اور مؤرخ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے اپنی کتاب محبوب الٰہی میں مولانا اصولی کا سنہ وصال ۹؍رجب ۶۲۲ھ تحریر کیا ہے پھر آگے چل کر محبوب الٰہی کا ان سے تعلیم حاصل کرنا تحریر کیا ہے۔ دونوں میں سخت تضاد ہے۔ امکان غالب ہے کہ کاتب سے سہو ہوا ہے۔ کیوں کہ محبوب الٰہی کی پیدائش بقولے ۶۳۴ھ و بقولے ۶۳۶ھ میں ہوئی ہے۔ اسی طرح خواجہ شادی مقری کا سنہ وصال ۲۷؍رجب ۶۳۹ھ تحریر کیا ہے اور ان سے سلطان المشائخ کا ایک پارہ پڑھنا ذکر کیا ہے۔ گو آخر الذکر بات ممکن ہے کہ چار سال کی عمر میں آپ نے ناظرہ پڑھ لیا ہو مگر یہ بھی تامل سے خالی نہیں۔

و باطن میں یکتاے زمانہ تھے۔آپ بڑے بلند پایہ متکلم اور مناظر تھے بایں سبب آپ کا لقب بحّاث اور محفل شکن پڑ گیا تھا۔آپ کے نور ولایت کی کرنوں سے نہ صرف برصغیر بلکہ پورا عالم اسلام چمک اٹھا،آپ کی ذات نے ہندوستان میں سلسلۂ چشت اہل بہشت کو عروج کے نقطۂ کمال تک پہونچا دیا۔آپ کے نفَسِ گرم کی تپش نے لاکھوں قلوب کو زندہ کر دیا،آپ کی نگاہ کیمیا اثر نے عہد ساز شخصیتوں کو پیدا کیا۔آپ کی روحانی اور اصلاحی تحریک نے برصغیر کے ساتھ وسطی ایشیا پر بڑے گہرے اثرات ڈالے۔آپ کے ذریعہ برپا کردہ روحانی اور خانقاہی نظام نے پورے ہندوستان کو متاثر کیا اور امراو عوام کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کر دیا۔

سلطان المشائخ مؤرخین کی نظر میں

اب ہم ذیل کی سطور میں سلطان المشائخ کے بارے میں مؤرخین ہند کی شہادتیں اور ان کے تاثرات پیش کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ ہوجائے کہ ان حضرات مؤرخین نے حضرت محبوب الٰہی کی ذات کو کس نظر سے دیکھا ہے اور ان کی ذات سے کس قدر متاثر ہوئے ہیں۔ان کے اثرات کا کس انداز میں جائزہ لیا ہے۔الأقدم فالأقدم کے طور پر بلحاظ عہد ہم الگ الگ مؤرخین کے آرا قلم بند کر رہے ہیں۔

سلطان المشائخ مؤرخ ضیاءالدین برنی کی نظر میں

سلطان المشائخ کے حالات پر سب سے مستند ماخذ فوائد الفواد اور سیر الاولیا ہیں جو آپ ہی کے عہد میں قلم بند کی گیں البتہ تاریخی نقطۂ نظر سے ''تاریخ فیروز شاہی'' کو ایک غیر معمولی مقام حاصل ہے۔جو برنی کی تصنیف ہے جس میں اس نے سلاطین ہند کی حکومتوں پر بے لاگ تبصرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے چونکہ برنی کی آمد ورفت براہ راست حضرت محبوب الٰہی تک ہوتی تھی، وہ ان کی مجلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے،حتی کہ انھیں کے دست گرفتہ بھی تھے۔لہٰذا ان کی شہادت ایک چشم دید شاہد کی حیثیت رکھتی ہے۔انھوں نے بڑی تفصیل کے ساتھ ان حالات کو قلمبند کیا ہے جو آپ کے عہد میں رونما ہوئے اور آپ کی روحانی انقلابی تحریک کے زیر اثر پیدا ہوئے۔ان کے تبصرے سے بہت سی تمدنی، تاریخی، سماجی، سیاسی اور روحانی

انقلابات پر روشنی پڑتی ہے۔ برنی لکھتا ہے:

''ہمدراں ایام شیخ اسلام نظام الدین در بیعت عام کشادہ بود و گناہگاران را خرقہ وتوبہ می دادو بارادہ خود قبول می کردہ الخ''

برنی کی یہ تصنیف فارسی زبان میں ہے، انھوں نے چار صفحات میں حضرت محبوب الٰہی کے ذریعہ برپا کیے جانے والے انقلابات واثرات کا جائزہ لیا ہے۔ ہم بخوف طوالت صرف اس کے اردو ترجمے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور یہ ترجمہ پروفیسر عبدالرحمٰن مومن کی کتاب ''خواجہ نظام الدین اولیا'' سے نقل کیا جاتا ہے۔ اصل فارسی عبارت تاریخ فیروز شاہی مصححہ سر سید احمد خان، مطبوعہ سر سید اکیڈمی ۲۰۰۵ء کے صفحہ ۳۴۳ تا ۳۴۶ پر مرقوم ہے:

> ''اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت عام کا دروازہ کھول رکھا تھا۔ گنہگار لوگ ان کے سامنے اپنے گناہوں کا اقبال کرتے اوران سے توبہ کرتے اور وہ ان کو اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کر لیتے۔ خواص وعوام، مالدار ومفلس، امیر وفقیر، عالم وجاہل، شریف ورذیل، شہری ودیہاتی، غازی ومجاہد، آزاد وغلام ان سب سے وہ توبہ کراتے اور ان کو طاقیہ (ٹوپی) اور مسواک صفائی کے لیے دیتے۔ ان لوگوں میں سے کثیر تعداد جو خود کو شیخ کے مریدوں میں شمار کرتی تھی بہت سے ایسے کاموں سے پرہیز کرنے لگتی تھی جو کرنے کے لائق نہیں ہوتے۔ شیخ سے مرید ہونے کی شرم لوگوں کو بہت سے گناہوں سے ظاہری اور مخفی طور پر باز رکھتی۔ چنانچہ عام لوگ یا تو دوسروں کی تقلید میں یا خود اپنے اعتقاد کی بنیاد پر عبادت اور بندگی کی طرف راغب ہو گئے تھے اور مرد اور عورتیں، بوڑھے اور جوان، سوداگر اور عام لوگ، غلام اور نوکر اور کم عمر بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ ان کے ارادت مندوں کی اکثریت نماز چاشت واشراق کی پابند ہو گئی تھی۔ مخیر اور فیاض لوگوں نے شہر سے غیاث پور تک متعدد مقامات پر لکڑیوں کے چبوترے بندھوادیے تھے یا چھپر ڈلوادیے تھے اور کنویں کھدوادیے تھے

اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے تیار رہتے تھے اور چھپروں میں بوریے بچھے رہتے تھے۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں حافظ اور خادم مقرر کر دیے جاتے تھے تا کہ شیخ کے مریدوں اور نائبوں کو اور دوسرے نیک لوگوں کو ان کے آستانے پر آتے اور جاتے وقت وضو کرنے اور وقت پر نماز ادا کرنے میں کوئی دقت نہ ہو۔ ان چبوتروں اور چھپروں میں نفل نماز ادا کرنے والوں کا ہجوم رہتا تھا۔ گناہوں کے ارتکاب اور ان کے متعلق لوگوں میں بہت کم بات چیت ہوتی تھی بلکہ ان میں اکثر و بیشتر جو گفتگو ہوتی وہ نماز چاشت و اشراق کے متعلق ہوتی اور یہ لوگ یہی دریافت کرتے رہتے کہ زوال، اوابین اور تہجد کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی جاتی ہیں اور ہر رکعت میں قرآن کی کون سی سورت پڑھنی چاہیے اور یہ کہ پانچوں وقت کی نماز میں نفلوں کے بعد کون سی دعائیں آئی ہیں۔

شیخ کے نئے مرید، ان کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوال دریافت کرتے اور روزوں، نفلوں اور کم کھانے کے متعلق معلوم کرتے رہتے تھے۔ اس نیک زمانہ میں کثرت سے لوگ قرآن حفظ کرنے کا اہتمام کرتے تھے (....) اس بابرکت زمانہ میں لوگوں کا کثرت سے نفل پڑھنا اور اس کو قائم رکھنا اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ سلطانی دربار سے منسلک امرا، سلاح داروں، محرروں، سپاہیوں اور بادشاہ کے غلاموں میں سے بہت سے لوگ جو شیخ کے مرید تھے چاشت اور اشراق کی نماز ادا کرتے تھے اور ایام بیض اور عشرۂ ذی الحجہ کے روزہ رکھتے تھے۔ کوئی محلّہ ایسا نہیں تھا جہاں ہر مہینہ، بیس روز کے بعد نیک لوگوں کی مجلس نہ ہوتی اور صوفیہ کا سماع نہ ہوتا اور اس میں گریہ و رقت نہ ہوتی۔ شیخ کے کئی مرید ایسے تھے جو مسجدوں میں یا گھروں میں نماز تراویح میں ختم قرآن کراتے اور ان لوگوں میں سے جو (ان عبادات میں) مستقیم الحال تھے اکثر و بیشتر رمضان میں اور جمعہ اور حج کی راتوں میں قیام

کرتے تھے۔ ان بزرگوں میں بہت سے حضرات ایسے تھے جو دو تہائی یا تین چوتھائی رات تمام سال قیام اللیل میں گزارتے اور بعض عبادت گذار تو عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔۔۔ عہد علائی کے آخری چند سالوں میں اکثر و بیشتر مسلمانوں میں سے کسی کی بھی زبان پر شراب و شباب، فسق و فجور، قمار بازی، فحش حرکات، لواطت یا بچہ بازی کا ذکر تک نہیں آیا تھا۔ بڑے جرائم اور کبیرہ گناہ لوگوں کے نزدیک بمنزلۂ کفر ہو گئے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خوری اور ذخیرہ اندوزی کے مرتکب نہ ہوتے تھے اور خوف و ہراس کی وجہ سے دکانداروں میں جھوٹ، کم تولنا، مکاری و دغا، دھوکا دہی اور نادانوں کا روپیہ مار لینا سب قطعی طور پر ختم ہو گئے تھے۔ علم حاصل کرنے والے اور اشراف و اکابر جو شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے زیادہ تر تصوف وسلوک کی کتابوں اور ان صحیفوں کا مطالعہ کرتے رہتے تھے جن میں طریقت کے احکام ہوتے تھے۔ چنانچہ قوت القلوب، احیاء العلوم، عوارف المعارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالۂ قشیریہ، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح ولوامع قاضی حمید الدین ناگوری اور فوائد الفواد کے بہت زیادہ خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ صوفیوں کی خریداری کی زیادتی کی وجہ سے لوٹے اور طشت چرمی مہنگے ہو گئے تھے۔ در حقیقت اللہ تعالی نے شیخ نظام الدین کو اس آخر زمانہ میں جنید اور بایزید کی مثل پیدا کیا تھا۔''(۱)

ابن بطوطہ محمد بن عبد اللہ اللواتی الطنجی المراکشی (۷۰۳ھ / ۱۳۰۴ء-۷۷۹ھ) کی نظر میں

آٹھویں صدی ہجری کا مشہور زمانہ سیاح اور مؤرخ ابن بطوطہ جو محمد تغلق کے عہد میں

---

۱) ضیاء الدین برنی، مؤرخ، تاریخ فیروز شاہی، از ص ۳۴۳ تا ۳۴۶، فارسی، مصحح: سرسید احمد خان، مطبوعہ: ۱۸۶۲ء از کلکتہ باہتمام کپتان ولیم ناسولیس و مولوی کبیر الدین احمد۔ برنی کی یہ تاریخ ۷۵۸ھ / مطابق ۱۳۵۶ء میں مکمل ہوئی۔ اس میں سلطان ناصر الدین محمود کے بعد سے فیروز شاہ تغلق تک کے سلاطین کے حالات مندرج ہیں۔

ہندوستان وارد ہوا۔ اس کا زمانہ حضرت محبوب الٰہی کے زمانے سے بہت قریب ہے بس چند سالوں کا فاصلہ ہے۔ انھوں نے اپنے سفرنامے میں تین مقامات پر حضرت محبوب الٰہی کا ذکر نظام الدین ولی البذاونی کے نام سے کیا ہے۔ محمد تغلق چونکہ حضرت سلطان المشائخ کا عقیدت مند تھا اوران سے دعا کراتا رہتا تھا۔ ابن بطوطہ نے شیخ کے اس غلبۂ حال کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے محمد بن تغلق کو ہندوستان کی بادشاہت عطا فرمائی تھی۔ وہ رقمطراز ہیں:

وكان بمدينة دهلي الولي نظام الدين البذواني، ولايزال محمد شاه ابن السلطان يتردد إليه ويعظم خدامه، ويسأله الدعاء. وكان يأخذ الشيخ حال تغلب عليه، فقال ابن السلطان لخدامه: ”إذا كان الشيخ في حاله التي تغلب عليه فأعلموني بذلك“ فلما أخذته الحال أعلموه، فدخل عليه، فلما رآه الشيخ قال: ”وهبنا له الملك“(۱)

ترجمہ: اور شہر دہلی میں اللہ کے ولی نظام الدین بدایونی رہتے تھے۔ محمد بن سلطان غیاث الدین تغلق ان کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور ان کے خدام کی تعظیم کرتے، اور شیخ سے دعا کی درخواست کرتے۔ اور غلبۂ حال میں جاکر شیخ کو تھام لیتے تھے۔ شہزادے نے شیخ کے خدام سے کہا: جب شیخ پر غلبۂ حال ہو تو مجھے بتاؤ۔ جب آپ پر حال طاری ہوا اور آپ مغلوب ہوگئے خدام نے ان کو بتایا، شہزادہ حاضر ہوا، جب شیخ نے اسے دیکھا تو ارشاد فرمایا: ہم نے تمھیں بادشاہت عطا کردی۔

اس مختصر سے اقتباس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت سلطان المشائخ اپنے عہد میں دہلی کے سب سے بااثر اور مقبول شیخ طریقت تھے، یہی وجہ ہے کہ سلطان محمد تغلق اپنے زمانۂ شہزادگی میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر دعا کا خواستگار ہوتا تھا۔ مزید اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمد تغلق کی باشاہت حضرت محبوب الٰہی کا عطیہ تھی۔

ملا عبدالقادر بدایونی کی شہادت

۱) رحلۃ ابن بطوطۃ، تحقیق طلال حرب، ص ۴۶۱، مطبوعہ: الکتب العلمیۃ، بیروت، ۲۰۰۲ء

علاؤالدین خلجی کے عہد میں فتوحات کی کثرت اور امن و امان سلطان المشائخ کی برکات سے ہے۔

عہدِ اکبری کا ایک غیر جانبدار مؤرخ عبدالقادر بن ملوک شاہ بدایونی جو نہ درباری تھا نہ دربار سے متاثر، اس نے عہد علائی میں فتوحات کثیرہ کا ذکر کرتے ہوئے اسے سلطان المشائخ کے وجود کی برکت قرار دیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

و در سنہ احدی عشر و سبع مائۃ (۷۱۱ھ) ملک نائب باسی صد و دوازدہ فیل و بست ہزار اسپ و نود و شش ہزار من طلا و صندوقہاے جواہر و مروارید و دیگر غنائم از اندازۂ حساب افزون بدرگاہ آمد گذرانیدو امیر خسرو کہ دراں لشکر بود خصوصیات ایں احوال در خزائن الفتوح نوشتہ و ایں فتوحات را بعضے حمل بر استدراج و بعضے بر کرامات سلطان علاء الدین می کردند و بعضے امن و امان آں عہد را از برکات بے نہایات، سلطان المشائخ نظام الأولیاء قدس سرہ می دانستند اھ (۱)

مفہوم: ۷۱۱ھ میں ملک نائب (ولی عہد) تین ہزار بارہ ہاتھی، بیس ہزار گھوڑے، چھیانوے ہزار من طلا، ہیرے جواہرات اور مروارید کے صندوق، اور دیگر اموال غنیمت جو شمار سے باہر ہیں لے کر دارالسلطنت واپس ہوا، امیر خسرو جو اس لشکر میں موجود تھے انھوں نے اپنی کتاب ''خزائن الفتوح'' میں ان احوال کی خصوصیات قلمبند کردی ہیں۔ ایک طبقہ ان فتوحات کو استدراج پر محمول کرتا ہے تو دوسرا طبقہ سلطان علاء الدین خلجی کی کرامت سمجھتا ہے اور ایک طبقہ اس عہد کے امن و امان کو حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا قدس سرہ کی برکتوں میں سے شمار کرتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بدایونی نے کئی مقامات پر مؤدب پیرائے میں آپ کا تذکرہ کیا ہے۔ جس سے اس کی سلطان المشائخ سے عقیدت و محبت آشکار ہوتی ہے۔ اس برکت کو علاء الدین خلجی کی کرامت ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا کیوں کہ وہ لائق کرامات تھا ہی نہیں، یہ بلاشبہ حضرت سلطان المشائخ کے وجود اور ان کے عہد کی برکت ہے۔

خضر خان ابن سلطان علاء الدین خلجی سلطان المشائخ کا مرید تھا

۱) منتخب التواریخ، عبدالقادر بدایونی، ج اول، مصححہ: مولوی احمد علی فارسی، ص ۱۹۷

قطب الدین مبارک شاہ (۱۳۲۰-۱۳۱۶ء) جو خلجی خاندان کا نہایت منحوس بادشاہ تھا اور حضرت سلطان المشائخ کا دشمن تھا۔ اس کا بھائی خضر خان حضرت سلطان المشائخ کا مرید تھا۔ خضر خان سے متعلق عبدالقادر بدایونی لکھتا ہے:

وسلطان قطب الدین بتقریب آنکہ خضر خان مرید سلطان المشائخ نظام الأولیاء قدس اللہ سرہ العزیز بود با حضرت شیخ نسبت بی اعتقادی داشت و برر غم حضرت او شیخ رکن الدین را از ملتان طلب نمود و شیخ زادۂ جام را کہ از منکران شیخ بود بخو داختصاص داداھ (۱)

ترجمہ: اور قطب الدین (مبارک شاہ) نے اس تقریب میں جس میں سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا قدس سرہ کے مرید خضر خان موجود تھے حضرت شیخ کے ساتھ برا اعتقاد رکھا اور حضرت کے ہوتے ہوئے اس نے شیخ رکن الدین کو ملتان سے طلب کر لیا اور شیخ زادہ جام کو جو شیخ کے مخالفین میں سے تھے خصوصی درجہ دیا۔

دربارِ اکبری کے نامور مؤرخ ابوالفضل علائی کا بیان

آئین اکبری، عہد اکبری کی تاریخ پر سب سے مستند کتاب مانی جاتی ہے گو یہ کتاب سولہویں صدی عیسوی کی تالیف ہے تاہم بہت سے نادر حقائق اس میں جمع کر دیے گئے ہیں۔

ابوالفضل العلائی نے اپنی کتاب آئین اکبری میں اولیاے ہند کے نام سے باضابطہ ایک عنوان قائم کیا جس میں کبار مشائخ کا ذکر ملتا ہے وہ حضرت محبوب الٰہی کے بارے میں لکھتا ہے:

شیخ نظام الدین اولیا نام محمد، پور احمد دانیال از غزنین بہ بداؤں آمد و شیخ در ششصد سی و دو دو در انجا بزاد و لختی رسمے علوم اندوخت اور انظام بحاث و محفل شکن می گفتند، در بست سالکی با جودھن رفتہ بشیخ مرید گنج شکر آورد و کلید گنجینہ معنی بدست آورد۔۔۔۔۔ (۲)

ترجمہ: شیخ نظام الدین اولیا محمد ولد احمد دانیال، غزنین سے بدایوں آئے، ۶۳۴ھ میں

---

۱) منتخب التواریخ، از عبدالقادر بدایونی، ج: اول، ص ۲۱۰، ناشر: پبلی کیشن ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، مطبوعہ ۲۰۱۸ء، قدیم رسم الخط

۲) آئین اکبری، سرسید ایڈیشن، لیتھوگرافک پریس، مطبع اسماعیلی، طبع اول باہتمام محمد احمد الحق ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۵ء، ص ۲۰۸، ۲۰۹

پیدا ہوئے، مروجہ علوم کی تحصیل کی۔ ان کو لوگ نظام بحّاث (بہت زیادہ بحث کرنے والا) اور محفل شکن کہا کرتے تھے۔ بیس سال کی عمر میں اجودھن جا کر شیخ فرید گنج شکر کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور انھیں کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ کے ذریعہ بلند پایہ مقام حاصل کرنے والوں میں شیخ نصیر الدین چراغ اور امیر خسرو دہلی میں، شیخ علاء الحق اور شیخ اخی سراج بنگال میں، شیخ وجیہ الدین یوسف چندیری میں، شیخ کمال مالوہ میں، مولانا غیاث الدین بہار میں، مولانا مغیث اجین میں، شیخ یعقوب اور شیخ حسام گجرات میں، شیخ برہان الدین غریب، شیخ منتخب اور خواجہ حسن دکن میں نمایاں شہرت کے حامل ہیں۔

تاریخ ولات کے بارے میں لکھتے ہیں: ''چاشت چہار شنبہ ہژدم ربیع الآخر ہفتصد و بست و پنج از جہاں رفت''۔ ۱۸؍ربیع الآخر ۷۲۵ھ بروز بدھ، بوقت چاشت آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

سرسید احمد خان کی نظر میں

انیسویں صدی عیسوی کا ممتاز ہندوستانی مفکر اور معمار قوم، محقق، مؤرخ سید احمد خان (پیدائش ۱۷؍اکتوبر ۱۸۱۷ء، وصال: ۲۷؍مارچ ۱۸۹۸ء) ولد سید محمد متقی خان بہادر ولد جواد الدولہ جواد علی خان بہادر، بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ان کی کوئی مستقل تحریر حضرت سلطان المشائخ کے حوالے سے نظر سے نہیں گزری البتہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''آثار الصنادید'' میں جس کو انھوں نے سالہا سال کی عرق ریزی کے بعد دہلی کے آثار قدیمہ، کھنڈرات، مینار، محلات، قلعوں، مساجد، مقابر اور باولیوں کی تاریخ کو محفوظ کرنے کے لیے ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء میں مکمل کیا تھا۔ اس میں انھوں نے حضرت سلطان المشائخ سے منسوب باولی حضرت نظام الدین کا ذکر بہت اہتمام سے کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

باولی حضرت نظام الدین: مشہور ہے کہ یہ باولی حضرت نظام الدین نے اپنے جیتے جی قریب ۷۲۱ھ مطابق ۱۳۲۱ء کے بنائی ہے۔ اس باؤلی کا پانی بھی تبرک گنا جاتا ہے اور جن اوترنے اور بھوت بھاگنے اور پیٹ رہنے کی منت سے اس میں نہایا جاتا ہے۔ یہ باولی بہت خوب

اور نہایت روشن ہے۔۔۔۔(۱)

مشہور مؤرخ بشیر الدین احمد کی نظر میں

بشیر الدین احمد دہلوی نے ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء میں اپنی تاریخ ''واقعات دارالحکومت دہلی'' لکھ کر شائع کی۔ عموما مؤرخین ہند نے صوفیہ اور علما کی تاریخ نگاری میں توقف سے کام لیا ہے۔ اگر کہیں ذکر آ بھی گیا تو فقط اسی حد تک جو کسی بادشاہ کے واقعہ سے متعلق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پوری پوری کتاب چھان ڈالنے کے باوجود چند سطور سے زیادہ نہیں مل سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اس نے (یعنی محمد تغلق نے) کہتے ہیں کہ حضرت نظام الدین اولیا کی تائید کے بھروسے پر بادشاہ کے مروا ڈالنے پر یہ تدبیر نکالی کہ بنگالے سے واپسی کے وقت دہلی کے قریب افغان پور میں بادشاہ کے ٹھہرنے کے لیے ایک عارضی محل اس ترکیب کا بنوایا کہ ذرا سی ٹھیس لگتے میں دھرام سے آن پڑے۔ (یہ واقعہ ۷۲۵ھ/فروری ۱۳۲۵ء کا ہے)

اس حادثے کا ذکر کرنے کے بعد اسی صفحہ کے نیچے تفصیلی نوٹ لگاتے ہوئے اس نے یہ سطور تحریر کیے ہیں ''حضرت سلطان المشائخ جیسے مقدس بزرگ کی نسبت کبھی یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نعوذ باللہ وہ کسی کے قتل کی سازش میں شریک ہوں یا ان کے ایما یا حکم سے یہ فعل مذموم وقوع پذیر ہوا ہو۔ ہاں یہ بات دوسری ہے کہ جونا خان نے یہ مواخذۂ عقبٰی اپنے سر لیا ہو۔''(۲)

قیاس غالب ہے کہ دیگر مؤرخین نے بھی اس طرح کی جھوٹی باتیں حضرت محبوب الٰہی سے منسوب کی ہوں مگر مصنف واقعات دارالحکومت دہلی نے اس امر کو خارج از امکان قرار دیتے ہوئے کہا کہ آپ کی نسبت یہ کبھی گمان بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سلطان المشائخ تذکرہ نگاروں کی نظر میں

حضرت سلطان المشائخ امیر حسن علا سجزی کی نگاہ میں

امیر حسن علا سجزی ابن علاء الدین بدایونی ہاشمی (ولادت ۶۵۲ھ/ ۱۲۵۴ء) کی تالیف فوائد الفواد حضرت سلطان المشائخ کے حالات کو جاننے کا سب سے مستند ماخذ ہے۔ اس کے پانچ

---

۱) سر سید احمد خان، آثار الصنادید، ص ۱۸۴، مطبوعہ اردو اکادمی دہلی، مطبوعہ ۲۰۱۱ء

۲) واقعات دارالحکومت دہلی، حصہ اول، ص ۱۳۶، مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی، ۱۳۳۷ھ/ ۱۹۱۹ء

حصے ہیں۔ جن میں ۱۸۸ مجلسوں کا حال درج ہے۔ امیر حسن سجزی نے بہت ہی اہتمام و احتیاط کے ساتھ حضرت کے ملفوظات و ارشادات کو قلمبند کیا ہے۔ یہ کتاب ہر دور میں مقبول رہی اور چشتی نظامی سلسلے کے اولیا پر تفصیلی اطلاع فراہم کرتی ہے۔ فوائد الفواد ۷۰۷ھ مطابق ۱۳۰۸ء سے ۱۳۲۲ء کے درمیانی عرصہ میں لکھی گئی۔ اس ملفوظ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو خود صاحب ملفوظات نے حرف بہ حرف سن کر اصلاح فرمائی ہے جس سے اس کا پایۂ استناد بڑھ جاتا ہے۔

حسن سجزی سلطان المشائخ کی پہلی مجلس کا حال اس طرح لکھتے ہیں:

''پہلی مجلس، اتوار ماہ شعبان (اس کی برکتیں عام ہوں) کی تیسری تاریخ سات سو سات ہجری (۷۰۷ھ) پروردگار کی رحمت کے امیدوار بندہ گناہگار حسن علا سجزی کو جو اس تلقین کا لکھنے والا اور ان معانی کا جمع کرنے والا ہے۔ اس شاہ فلک جاہ، ملک دست گاہ کی قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔ اسی وقت اس آفتاب روشن ضمیر، قطب کے بے نظیر نظر کے فیض سے اس کے باطن نے چہار طبع کی آلائش کا ترک اختیار کیا۔ اور اس کے سر کو اس ناصیۂ اصفیا کی کلاہ چار ترکی سے زینت ملی۔ الحمد للہ علی ذلك۔

اس روز فرض نمازوں اور چاشت کی نماز اور چھ رکعت بعد نماز مغرب اور ایام بیض کے روزوں کی تاکید کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تائب، متقی کے برابر ہے۔ کیوں کہ متقی تو وہ ہوتا ہے کہ مثلاً اس نے عمر بھر کبھی شراب نہ پی ہو یا اور کوئی گناہ اس سے نہ ہوا ہو۔ اور تائب وہ ہوتا ہے کہ گناہ کیا اور پھر توبہ کر لی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہیں:

''التائب من الذنب کمن لا ذنب له''[1]

مذکورہ بالا عبارتوں سے ایک طرف امیر علا سجزی کا حضرت محبوب الٰہی سے والہانہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے تو دوسری جانب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے مریدوں کو ہمیشہ اعمال صالحہ کی ترغیب دیا کرتے تھے اور ان کے اعمال کی نگہداشت بھی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اس کا ذکر انھوں نے مجلس پنجم میں کیا ہے۔

امیر خورد سید محمد بن مبارک علوی کرمانی متوفی ۷۷۰ھ کی نظر میں

۱) فوائد الفواد، فارسی، مترجمہ خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی، ص ۱۴۱، سن اشاعت ۲۰۰۷ء

امیر خورد سید محمد بن مبارک حضرت محبوب الٰہی کے کمسن مرید ہیں۔ امیر خورد کے دادا سید محمد کرمانی کے تعلقات حضرت محبوب الٰہی سے اسی زمانے سے قائم ہو چکے تھے جب آپ اجودھن تشریف لے گئے۔ وہ اجودھن میں آپ کے ساتھ رہے اور جب آپ غیاث پور دہلی منتقل ہوئے اس وقت بھی وہ ساتھ ساتھ تھے۔ لہذا امیر خورد کو حضرت محبوب الٰہی کی محبت ورثے میں ملی ہوئی تھی۔ امیر خورد نے جب سیر الأولیاء مرتب کی تو ان کی عمر پچاس سال ہو چکی تھی۔ اس میں اپنے مشاہدات کے علاوہ، انھوں نے اپنے دادا، والد اور چچا سے سنی ہوئی روایات کو بہت احتیاط کے ساتھ قلمبند کیا ہے۔ یہ واحد ایسی قدیم کتاب ہے جو مشائخ چشت کے حالات پر اطلاع فراہم کرتی ہے۔ یہ حضرت محبوب الٰہی کے حالات پر سب سے مفصل اور مستند تذکرہ ہے۔ بخوف طوالت اس کتاب سے صرف ایک اقتباس نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

امیر خورد لکھتے ہیں:

راقم الحروف نے ثقہ راویوں سے سنا کہ شیخ نجم الدین اصفہانی ساٹھ سال تک خانۂ کعبہ کے مجاور رہے۔ انھوں نے ایک ایسی جگہ گھر بنا رکھا تھا جہاں سے بیٹھے بٹھائے نظر خانۂ کعبہ پر پڑتی تھی، شیخ کامل الحال انسان تھے۔ ایک دن مکہ کے مجاوروں نے پوچھا کہ سلطان المشائخ آج زمانے بھر کا مقتدا ہیں وہ مخلوق خدا کو ان کے مقاصد تک پہنچاتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے کہ وہ زیارتِ خانۂ کعبہ کو نہیں آتے۔ اور حج کی سعادت سے مستفیض نہیں ہوتے۔ شیخ نجم الدین نے فرمایا کہ وہ اکثر اوقات صبح کی نماز میں خانۂ کعبہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور نماز با جماعت میں ہماری سمت میں شریک ہوتے ہیں۔ احتمال یہ کہ اونٹ فرشتہ ہو غیب سے آتا ہو اور سلطان المشائخ کو خانۂ کعبہ لے جاتا ہو۔ (۱)

امیر خورد کے اس بیان سے یہ روشن ہو گیا کہ خدا کی بارگاہ میں حضرت سلطان المشائخ کا مقام کیا ہے وہ اپنے جسم مثالی کے ساتھ اکثر اوقات فجر کی نماز خانۂ کعبہ میں جا کر ادا کرتے تھے۔

سلطان المشائخ کے بارے میں مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کا ارشاد

(۱) سیر الأولیاء، سید محمد بن مبارک کرمانی، مترجم ڈاکٹر عبداللطیف، ص ۱۵۳، ۱۹۹۹ء، صدیقی اینڈ کمپنی

سلطان المحققین، مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری فردوسی (م ۷۸۲ھ) کے ملفوظات کو ان کے مرید باصفا حضرت مولانا زین بدر عربی نے معدن المعانی کے نام سے جمع کیا ہے اس میں وہ حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مجلس شریف میں شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کا تذکرہ آ گیا۔ حضرت مخدوم جہاں عظمہ اللہ نے فرمایا: شیخ نظام الدین کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں، وہ بزرگ ہیں اور ان کے ملفوظ میں ہم نے دیکھا ہے کہ ایک دن امیر حسن نے عرض کیا کہ مجھ کو بڑی بڑی دعاؤں میں کچھ رغبت نہیں ہوتی، شیخ نظام الدین نے فرمایا: سبحان اللہ دعاؤں میں بس اس قدر کافی ہے کہ یہ دعا پڑھیں

اللهم إني أسئلك أن لا أسئلك سواك.

(اے اللہ! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تیرے سوا کسی کو نہ مانگوں۔)

ان کی یہ بات ان کی ہمت کے بلند ہونے کی دلیل ہے۔ اگر ان کی ہمت باری تعالیٰ کے علاوہ کسی اور طرف ہوتی تو اس دعا کے علاوہ کوئی دوسری دعا زبان پر آتی۔[1]

حضرت مخدوم جہاں کی درج بالا باتوں سے حضرت سلطان المشائخ کے علوّ مرتبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی نظر میں ان کی بزرگی میں کوئی شبہ نہیں، نیز صرف بزرگ ہی نہیں بلکہ ان کی ہمت اتنی بلند ہے کہ حق تعالیٰ کے علاوہ کسی طرف التفات نہیں کرتے۔ اسی لیے آپ محبوب الٰہی ہوئے۔

صاحب مناقب الأصفیاء، مخدوم شعیب فردوسی کا بیان

حضرت مخدوم جہاں کے حقیقی خالہ زاد بھائی، مرید وخلیفہ، سلسلۂ فردوسیہ کے بلند پایہ بزرگ حضرت مخدوم شعیب فردوسی ابن مخدوم جلال منیری ابن مخدوم عبدالعزیز ابن امام تاج فقیہ (ولادت ۱۲/ربیع الآخر ۶۸۸ھ وصال: ۱۲/ربیع الآخر ۸۲۴ھ) جن کے مجاہدات کے احوال شاق سن کر لرزہ طاری ہوجائے۔ بارہ سال تک بے آب ودانہ ہندو جوگی سے مناظرہ کے دوران نیپال کے پاٹن کنویں میں بند رہے۔ اور بارہ سال بعد زندہ صحیح وسلامت باہر تشریف لائے۔ ان

[1] معدن المعانی، ملفوظات مخدوم جہاں، شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ، مترجمہ سید شاہ قسیم الدین احمد بلخی فردوسی، بیسواں باب، ص ۲۶۱-۲۶۲، ناشر: مکتبۂ شرف خانقاہ معظم، بہار شریف، ۲۰۱۱ء

کے تفصیلی حالات کا ذکر فقیر کی کتاب ''نیپال میں اسلام کی تاریخ''میں درج ہے۔

اتنے بلند پایہ بزرگ کی طرف منسوب کتاب مناقب الأصفیاء (فارسی) جو سلسلۂ فردوسیہ کے مشائخ پر اطلاع کا سب سے اولین ماخذ ہے، اس میں مرقوم ہے:

''حضرت مخدوم جہاں نے دہلی کا سفر کیا اور مشائخ دہلی سے ملاقات کی اور فرمایا: ''اگر شیخی اینست ما ہم شیخم''، اگر شیخی یہی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں۔ پھر شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کی۔ اس وقت آپ کی مجلس میں کسی موضوع پر علمی مذاکرہ چل رہا تھا۔ آپ نے پسندیدہ جواب دیے۔ شیخ نظام الدین نے اعزاز و اکرام فرمایا: ایک طشت میں پان پیش کیا اور فرمایا: ''سیمرغست نصیب دام ما نیست'' یہ ایک سیمرغ ہیں لیکن میرے حصہ کے نہیں۔

اس واقعہ سے دونوں ولیوں کی عظمت و بزرگی ظاہر ہوتی ہے۔

مخدوم شعیب فرماتے ہیں: سنا ہے کہ اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی نے آپ کے سامنے خواجہ نجیب الدین فردوسی کا تذکرہ کیا۔ آپ کی روش اور مناقب بیان کیے۔ آپ نے فرمایا: قطب دہلی نے پان دے کر رخصت کر دیا اب کسی دوسرے کے پاس کیا جائیں۔''(۱)

ان دونوں روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مخدوم جہاں سلطان المشائخ کی ولایت و عظمت کا شہرہ سن کر ہی ان کی بارگاہ میں مرید ہونے کی نیت سے آئے تھے مگر آپ نے پان دے کر رخصت کر دیا۔ کیوں کہ آپ پر یہ امر روشن تھا کہ میرے بھائی خواجہ نجیب الدین فردوسی ۱۲ رسالوں سے خلافت نامہ لکھ کر ان کا بے قراری سے انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں کی زبان سے شیخ کے لیے ''قطب دہلی'' کا لفظ ادا ہونا کوئی اتفاق نہیں تھا بلکہ وہ بخوبی واقف ہو گئے تھے کہ اس وقت دہلی کے قطب اور بادشاہِ روحانیت آپ ہی ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خود مخدوم جہاں مرید ہونے سے پہلے ولایت کی اعلیٰ منزل پر فائز تھے۔

لطائف اشرفی میں درج مغالطے کا ازالہ

لطائف اشرفی، حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کے ارشادات وملفوظات کا مجموعہ

---

۱) مناقب الأصفیاء، مخدوم شعیب فردوسی، ص ۲۶۶، مترجمہ مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی، فردوسی، ناشر: مکتبۂ شرف، نالندہ، سنہ ۲۰۰۱ء

ہے جس کو ان کے مرید وخلیفہ حضرت مولانا نظام یمنی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع کیا ہے۔اس میں مختلف سلاسل طریقت کے شجروں کو بیان کیا ہے۔ پہلا چشتیہ، دوسرا قادریہ اور تیسرا شجرہ کبرویہ کا بیان ہے۔اس میں وہ لکھتے ہیں:

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری سے مشہور ہوا اور وہ سیف الدین باخرزی تک اس طرح پہنچتا ہے کہ شیخ سیف الدین سے شیخ بدرالدین سمرقندی کو ان سے شیخ رکن الدین فردوسی کو ان سے شیخ نجم الدین فردوسی کو عام طور پر شیخ نجم الدین صغریٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔ان کی شوکت اور دولت کا حال یہ تھا کہ بارہ ہزار غلام اور خدام ملازمت میں حاضر رہتے۔ سلطان محمد تغلق کے اکثر امرا ان سے مرید تھے۔ جب شیخ شرف الدین تحصیل علوم اور تکمیل ریاضت کے بعد سلطان المشائخ کی خدمت میں دہلی آئے اور مرید ہونے کی استدعا کی تو سلطان المشائخ نے غور وفکر کے بعد فرمایا: بھای شرف الدین! تمھارے سلوک کا حصہ میرے پاس نہیں ہے۔ بلکہ نجم الدین صغریٰ کے یہاں ہے۔تم ان کی خدمت میں جاؤ وہ تمھارے منتظر ہیں۔ ان کے ارشاد کے بموجب وہ شیخ نجم الدین صغریٰ کی طرف روانہ ہونے لگے تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ فقیروں کی صحبت سے خالی نہ جانا چاہیے۔ ہمارے خاندان سے لذت سماع اور صفائی قلب تم کو مبارک ہو۔ شیخ شرف الدین نے بسر وچشم قبول کیا۔ اور سلسلۂ فردوسیہ میں سماع اور صفائی قلب اسی نعمت کی بدولت ہے اھ۔

اس میں تذکرہ نگار نے کئی ایسی باتیں لکھی ہیں جو خلاف حقیقت ہیں۔ اولا شیخ شرف الدین احمد کا شیخ، نجم الدین صغریٰ کو بنادیا جو خلاف واقعہ ہے۔ دوم: جس نجم الدین صغریٰ اور ان کی جاہ وحشمت کا ذکر یہاں کیا ہے وہ شیخ الاسلام دہلی نجم الدین صغریٰ ہیں جن کا زمانہ محبوب الٰہی سے بہت پہلے کا ہے وہ التمش کے زمانے میں تھے۔ حضرت سلطان المشائخ انھیں کیوں ان کی خدمت میں بھیجیں گے۔ یہاں یا تو کاتب سے سہو ہوا ہے یا بیان روایت میں سخت غلطی واقع ہوئی ہے۔ مخدوم جہاں کے سارے تذکرہ نگار حتی کہ خود صاحب مناقب الأصفیاء نے لکھا ہے کہ آپ شیخ نظام الدین اولیا کی بارگاہ سے پان لے کر شیخ نجیب الدین فردوسی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت پان منہ میں تھا۔ خواجہ نے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا:

دردہن برگ و در دستار برگ و گفتار این کہ ما ہم شیخیم [۱] (منہ میں پان، دستار میں پان اور دعوی یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں)۔

مناقب الأصفیاء، لطائف اشرفی سے یقینا بہت پہلے لکھی گئی ہے۔لہذا اس کے بیان کے بعد لطائف اشرفی میں درج واقعہ خود ہی بے اثر ہو جاتا ہے۔

سلطان المشائخ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی نظر میں

گیارہویں صدی ہجری کے عظیم محدث اور بلند پایہ صوفی، محقق علی الأطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی (ولادت: ۹۵۸ھ- وصال ۱۰۵۲ھ) کو سلطان المشائخ سے اتنی والہانہ محبت تھی کہ ان کے تذکرے میں انھوں نے ساڑھے پانچ صفحات صرف کیے ہیں۔ جب کہ بڑے سے بڑے بزرگ کا تذکرہ وہ ایک صفحہ یا آدھے صفحہ یا اس سے کم میں کرتے ہوئے گزر گئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

شیخ نظام الحق والدین محمد بدایونی قدس سرہ، خلیفہ شیخ فرید الحق والدین، نام او محمد بن احمد بن علی البخاری ست ولقب او سلطان المشائخ و نظام اولیا ست وی از محبوبان و مقربان درگاہ الٰہی ست دیار ہندوستان مملوست از آثار برکات او۔[۲]

أخبار الأخیار فی أسرار الأبرار کے صفحہ ۶۴ پر رقمطراز ہیں:

''سلطان علاء الدین باز بجہت ملاقات الحاح کرد، شیخ فرمودہ فرستاد کہ خانہ ایں ضعیف دو در دارد و اگر بادشاہ از یک در آید من از دیگر بیروں روم۔''[۳]

بادشاہ علاء الدین نے پھر ملاقات کے لیے اصرار کیا۔شیخ نے فرمان بھجوایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں اگر بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا تو میں دوسرے دروازہ سے باہر چلا جاؤں گا۔شیخ محقق کی اوپر والی تحریر یہ بتاتی ہے کہ آپ مشائخ کے بادشاہ ہیں اور دین کے نظام ہیں، محبوب بارگاہ الٰہی ہیں اور بلاد ہند، آپ کی برکتوں سے معمور ہیں تو دوسری عبارت

---

۱) مناقب الأصفیاء مخدوم شعیب فردوسی، ص ۲۶۶، مطبوعہ ۲۰۰۱ء

۲) أخبار الأخیار فی أسرار الأبرار (فارسی) ص ۶۰، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، یوپی

۳) أخبار الأخیار فی أسرار الأبرار (فارسی) ص ۶۴، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، یوپی

یہ بتاتی ہے کہ آپ کو بادشاہ وقت کے ملاقات کی کوئی پرواہ نہیں تھی، نہ آپ نے کبھی بادشاہوں کو ملاقات کی اجازت دی۔شان بے نیازی کی اس سے بڑی مثال اس عہد میں اور کوئی نہیں مل سکتی۔

صاحب خزینۃ الأصفیاء، مفتی غلام سرور لاہوری کا بیان

اب ہم تیرہویں صدی ہجری کے نامور تذکرہ نگار مفتی غلام سرور لاہوری کا بیان تحریر کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی مشہور زمانہ تالیف خزینۃ الأصفیاء (فارسی) میں مشائخ سلسلۂ سہروردیہ کے ذکر کا التزام کیا ہے۔اور خوب داد تحقیق دی ہے۔اس ضمن میں کہیں کہیں دوسرے سلاسل کے مشائخ کا بھی ذکر آ گیا ہے۔ان کی یہ تالیف ۱۲۸۱ھ میں مکمل ہوئی۔میرے پیش نظر ۱۹۱۴ء کا مطبوعہ قدیم نسخہ ہے۔جو انتہائی خستہ ہونے کے سبب کہیں کہیں ناقابل قراءت بھی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے حضرت محبوب الٰہی کی تعریف کرتے ہوئے شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''گلستاں'' سے متعلق ایک ایمان افروز واقعہ تحریر فرمایا ہے۔

گلستان سعدی مقبول بارگاہ رسول ﷺ کتاب

لکھتے ہیں:

نقل ست کہ خواجہ امیر خسرو روزی بخدمت سلطان المشائخ نظام الدین بداؤنی پیر روشن ضمیر خویش حاضر شد، دید کہ آنجناب بمطالعۂ کتاب گلستاں کہ تصنیف شیخ سعدی ست مصروف ست، بخدمت بنشست، چوں شیخ از مطالعۂ کتاب فراغت یافت، عرض کرد کہ اگر ارشاد گردد بندہ ناچیز یک نسخہ کتاب کہ بطرز وطرح کتاب گلستاں باشد تصنیف کند و باسم بہارستاں موسوم باید، فرمود کہ مناسب ست پس در چند ایام کتاب بہارستان تصنیف کردو بخدمت شیخ آورد، شیخ فرمود کہ ترک اللہ دریں کتاب بسیار داد فصاحت و بلاغت دادی و نامش نیز بہارستان نہادی۔ اما گلستان سعدی گلستانیست کہ رسول مقبول ﷺ دراو سیر می فرماید خسرو چوں ایں بشنید شکستہ خاطر شد۔ چوں شب شد در خواب دید کہ سرور کائنات علیہ السلام والصلاۃ بر تخت نبوت جلوہ گراند و شیخ سعدی روبرو سلطان المشائخ بجانب راست دست بستہ ایستادہ اند وحضرت شہنشاہ رسالت بمطالعۂ کتابی مشغول اند۔ چوں خسرو پیش رفت دید کہ کتاب گلستان سعدیست دانست کہ آں

مقبول جناب رسالت علیہ الصلوۃ والتحیۃ است اھ[1]

ترجمہ: منقول ہے کہ خواجہ امیر خسرو ایک دن، اپنے پیر روشن ضمیر، سلطان المشائخ نظام الدین بدایونی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ آپ شیخ سعدی (ولادت: ۵۷۱ھ- وصال ۶۹۱ھ) کی تصنیف کردہ کتاب گلستان کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ خدمت میں بیٹھ گئے، جب شیخ کتاب کے مطالعہ سے فارغ ہوئے تو عرض کیا: اگر ارشاد فرمائیں تو یہ خاکسار گلستاں کی طرز پر ایک کتاب تصنیف کرے اور نام ''بہارستان'' رکھے۔ سلطان المشائخ نے فرمایا مناسب ہے۔ پھر چند دنوں میں بہارستان نامی کتاب لکھ کر شیخ کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ نے فرمایا۔ اللہ کے بندے! آپ نے اس کتاب میں بہت زیادہ فصاحت و بلاغت کا اظہار کیا ہے اور اس کا نام بہارستان رکھا ہے۔ لیکن سعدی کی گلستاں ایسا چمنستان ہے جس میں رسول مقبول ﷺ سیر فرماتے ہیں۔ خسرو یہ جملہ سن کر شکستہ خاطر ہوئے۔ جب رات ہوئی دیکھا کہ سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام تخت نبوت پر جلوہ افروز ہیں اور شیخ سعدی، سلطان المشائخ کے روبرو دائیں جانب دست بستہ کھڑے ہیں، اور شہنشاہ کائنات ﷺ ایک کتاب کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔ جب خسرو نے آگے بڑھ کر دیکھا تو یہ پایا کہ یہ گلستان سعدی ہے تب انھوں نے جان لیا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں مقبول ہے۔

نوٹ: محولہ تمام کتب فقیر قادری کے ذاتی کتب خانہ قادریہ میں موجود ہیں۔

محررہ: ۶-۱۲-۲۰۱۹ء

[1] خزینۃ الأصفیاء (فارسی) مرقومہ: ۱۲۸۱ھ، ص ۳۹-۴۰، مطبوعہ نومبر ۱۹۱۴ء، مطبع منشی نول کشور، کان پور، یو پی

امام احمد رضا قادری اور ان کا تفقہ فی الدین

از: محمد رضا قادری مصباحی
پرنسپل: جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

ولادت: بریلی کے وہ فرزند نجیب جس کے والد امام المتکلمین، دادا امام المتقین، بیٹے حجۃ الاسلام اور مفتی اعظم ہند، جد امجد نے جس کا تاریخی نام ''المختار'' اور عرفی نام احمد رضا رکھا ۱۰؍شوال المکرم ۱۴؍جون ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کو رونق افزاے عالم ہوئے۔(۱)

یہ وہ وقت تھا کہ ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کا سوا تین سو سالہ خورشید اقبال ڈوب رہا تھا، سیاسی بازی گروں کی کش مکش سے سارا کشور ہند لرزاٹھا تھا اور انگریز بساط ہند پر اپنے اقتدار کا پرچم نصب کر چکے تھے۔

تعلیم: جد امجد حضرت مولانا رضا علی خان (ولادت ۱۲۲۴ھ وفات ۱۲۸۶ھ) جو صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے انھوں نے عقیقہ کے دن ایک خوشگوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کی یہ فرزند فاضل و عارف ہوگا۔ طفولیت کے زمانے میں بسم اللہ خوانی ہوئی اور چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کیا۔ آٹھ سال کی عمر میں ہدایۃ النحو کی عربی شرح لکھی۔ دس سال کی عمر میں مسلم الثبوت جیسی ادق کتاب پر حاشیہ قلمبند فرمایا اور ۱۳ تیرہ سال دس مہینہ کی عمر میں ۱۴؍شعبان ۱۲۸۶ھ میں تمام درسیات سے فراغت حاصل فرمائی۔ ابتدائی تعلیم میزان ومنشعب وغیرہما مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھی شرح چغمینی کے چند اسباق مولانا عبد العلی رامپوری سے حاصل کیے اور بقیہ دینیات معقولہ ومنقولہ کی تکمیل اپنے والد ماجد خاتم المحققین حضرت مولانا نقی علی خان قادری ۱۲۴۶ھ/ ۱۲۹۷ھ سے فرمائی۔(۲)

اوائل عمر ہی سے ہوشمندی، ذکاوت وفطانت اور بلندی کے آثار آپ کی پیشانی پر ہویدا تھے۔ رسم بسم اللہ خوانی کے وقت جو حیرت انگیز واقعہ پیش آیا اسے سن کر سعدی شیرازی کا یہ شعر بے ساختہ ہونٹوں پہ مچل جاتا ہے

بالاے سرش ز ہوش مندی　　　می تافت ستارۂ بلندی

بیعت وخلافت: ۱۲۹۴ھ میں خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی قدس سرہ سے بیعت فرمائی اور تمام سلاسل قدیمہ وجدیدہ کی خلافت واجازت کے ساتھ سند حدیث کی اجازت سے بھی مشرف ہوئے۔(۳)

حج وزیارت: ۱۲۹۵ھ میں پہلی بار والد ماجد کے ساتھ زیارت حرمین طیبین کی سعادت حاصل کی۔اور اکابر علماے عرب حضرت سید احمد بن زینی دحلان مکی مفتی شافعیہ، حضرت عبدالرحمن سراج مفتی حنفیہ اور شیخ حسین بن صالح جمل اللیل امام شافعیہ وغیرہم سے علمی استفادہ فرمایا۔اور ان بزرگوں نے فقہ وحدیث کی اجازت عطا فرمائی۔اس سفر میں ایک روز مغرب کی نماز اعلیٰ حضرت نے مقام ابراہیم پر ادا کی، بعد نماز امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل نے بلا سابق تعارف کے آپ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لیتے ہوئے دولت کدے پر تشریف لے گئے اور دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: إِنِّی لَأَجِدُ نُوْرَ اللّٰہِ فِی ھٰذَا الْجَبِیْنِ بیشک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں۔اور اپنے دست مبارک سے سلسلۂ قادریہ کی اجازت لکھ کر عنایت کی اور فرمایا: تمہارا نام ''ضیاء الدین احمد'' ہے۔اس سند کی خوبی یہ ہے کہ اس میں امام بخاری تک صرف گیارہ واسطے ہیں۔(۴)

قوت حافظہ: اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے حیرت انگیز قوتِ حفظ سے نوازا تھا۔اس کا اندازہ ذیل کے دو واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) سید ایوب علی رضوی کا بیان ہے کہ اعلی حضرت قُدِّسَ سِرُّہٗ نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ حافظ لکھ دیا کرتے ہیں حالانکہ میں اس لقب کا اہل نہیں ہوں۔اس دن سے آپ نے قرآن مجید کے حفظ کی طرف توجہ فرمائی اور تیس دنوں میں تیس پارے قرآن پاک حفظ فرما کر تراویح میں سنا دیے۔ایسا بھی نہیں کہ پورا دن یاد کرنے میں لگا دیتے ہوں بلکہ ہر روز ایک پارہ عشاء کا وضو فرمانے کے بعد سے جماعت قائم ہونے تک یاد فرمالیتے۔(۵)

(۲) ایک بار پیلی بھیت میں حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کے یہاں مہمان ہوئے اثنائے گفتگو ''عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ'' کا ذکر چل پڑا محدث سورتی صاحب نے فرمایا: میرے کتب خانے میں موجود ہے۔اعلی حضرت نے فرمایا میں نے دیکھی نہیں ہے جاتے

وقت میرے ساتھ کر دیجئے گا۔ محدث سورتی نے بخوشی قبول کیا اور کتاب لاکر حاضر کر دی۔ دو ضخیم جلدوں پر مشتمل اس کتاب کو آپ نے رات اور دن کے کچھ حصے میں پورا مطالعہ فرمالیا۔ جب روانگی کا وقت ہوا تو اعلیٰ حضرت نے کتاب اندر بھیجوا دی اور ساتھ نہ لیا۔ محدث صاحب کتاب کے ساتھ واپس ہوئے اور عرض گزار ہوئے: کیا میں نے یہ کہہ دیا تھا کہ مطالعہ کے بعد واپس کر دیں گے اس لیے آپ ناراض ہو گئے اور کتاب ساتھ نہ لیا؟ آپ نے فرمایا کل میں جاتا تو ساتھ لے جاتا ٹھہرنے کی وجہ سے میں نے رات میں اور صبح میں پورا مطالعہ کر لیا ہے اب لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے ازراہ تعجب پوچھ دیا بس ایک مرتبہ دیکھ لینا کافی ہو گیا؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینہ تک جہاں کی عبارت کی ضرورت ہو گی فتاویٰ میں لکھ دوں گا اور مضمون تو ان شاء اللہ عمر بھر کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔ (٦)

تصنیف وتالیف: اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو مروجہ تمام علوم وفنون پر کامل دسترس حاصل تھا۔ پچاس سے زائد علوم میں آپ نے کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے جن کی تعداد چھ سو سے زیادہ ہے (٦) یوں تو تمام علوم وفنون مروجہ پر آپ کو دسترس حاصل تھی لیکن فقہ وفتاویٰ وحدیث میں آپ کا مقام سب سے بلند تھا، بلکہ آپ اپنے دور کے ثانیِ امام اعظم ابوحنیفہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حافظ کتب حرم سید محمد اسماعیل بن خلیل مکی نے اپنے ایک مکتوب میں اعلیٰ حضرت اور ان کے فتاویٰ سے متعلق تحریر فرمایا لَوَرَاٰهَا أبوحنيفة النُّعْمَانُ لَأَقَرَّتْ عَيْنَيْهِ وَ لَجَعَلَ مؤ لِّفَهَا مِنْ جُمْلَةِ الْأَصْحَابِ. (٧)

اگر امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ان فتاویٰ کو دیکھ لیتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور ان فتاویٰ کے مؤلف کو اپنے اصحاب (امام ابو یوسف ومحمد وغیرہما رحمھما اللہ) کے زمرے میں شامل فرمالیتے۔ فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں اس پر شاہد ہیں۔ اس میں آپ نے تحقیق وتدقیق کے وہ دریا بہائے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے علم کا ایک چشمۂ سیال ہے جو بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔ رد المحتار علامہ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ تحریر فرمایا۔ جب وہابیوں نے علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سورش برپا کی تو آٹھ گھنٹے کی قلیل مدت میں اَلدَّوْ لَةُ المَكِيَّة بالمادّةِ الْغَيْبِيّة نامی کتاب تصنیف فرما کر ان کے ناپاک عزائم کو خاک آلود کر دیا۔

فقہی تبحّر: امام احمد رضا قادری اپنے دور کے ایک عبقری اور نابغۂ روز گار فقیہ تھے۔ فقہ کو انھوں نے اپنا سرمایۂ حیات بنالیا تھا اور پوری زندگی اس علم کی خدمت میں صرف فرمادی۔ فقہ حنفی کو استدلال کی زبان عطا کی۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہوئے نظر آتے تھے کہ فقہ حنفی محض قیاس اور آراے فقہا کا مجموعہ ہے اس کی زمینی حیثیت کچھ بھی نہیں، حدیث سے کوئی واسطہ نہیں ہے ان کی زبانوں کو ہمیشہ کی لیے بند کردیا اور واضح کردیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو مسائل مستنبط کیے ہیں وہ سب کتاب وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں ہیں اور ہزاروں مقامات پر استدلال کرتے ہوئے ثابت کردیا کہ اس مسئلہ میں امام اعظم کی دلیل یہ حدیث ہے اور فلاں مسئلہ میں یہ۔ استنباطِ مسائل میں امام اعظم ابوحنیفہ کی نگاہ ان مصادرِ شریعت پر ہوا کرتی تھی جہاں بڑے بڑے ائمۂ مجتہدین کی نگاہیں پہنچنے سے قاصر رہیں۔ اور عدمِ رسائی کی بنیاد پر ان کے استنباط کردہ مسائل کو قیاسی مسائل کے زمرے میں شامل کردیا۔

علماے اصول نے مجتہدین کے تین طبقات کا ذکر کیا ہے۔ پہلا طبقہ مجتہدین فی الشرع کا ہے۔ یہ اصول وفروع میں کسی امام کے مقلد نہیں ہوتے ہیں بلکہ براہ راست کتاب وسنت سے استنباطِ احکام کرتے ہیں جیسے ائمۂ اربعہ وغیرہم۔ دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب کا ہے جو اصل میں اپنے امام کے پابند ہوتے ہیں جیسے صاحبین وغیرہما۔ تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کا ہے جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام مذہب سے جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان غیر منصوص مسائل کے احکام کا استنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جیسے امام کرخی وطحاوی وبزدوی وغیرہم۔ امام احمد رضا قدّس سرہ کے فتاویٰ اور تحقیقات انیقہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اس تیسرے طبقہ میں شامل ہیں۔

چنانچہ انگریزوں کی ایک کمپنی ''روسر'' جانوروں کی ہڈیاں جلا کر ان کی راکھ سے شکر صاف کرتی تھی، جس میں حلال وحرام جانور کی ہڈیوں کی تمیز نہیں تھی۔ یہ ایک نیا مسئلہ تھا جسے آپ نے اُصولِ دینیہ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔

جنسِ ارض کے اقسام: اسی طرح جنس ارض کی چوہتر (۷۴) قسمیں علماے متقدمین نے بیان کی تھیں جن سے تیمم جائز ہے ان میں آپ نے ایک سوسات چیزوں کا اضافہ فرمایا اور جن چیزوں

سے تیمم نہیں ہوسکتا تھا فقہاے متقدمین نے اٹھاون ۵۸ چیزیں گنوائی تھیں جب کہ آپ نے ان میں بہتر ۷۲ چیزوں کا اضافہ فرمایا۔ یہ کل تین سو گیارہ (۳۱۱) چیزیں ہوتی ہیں ان میں ۱۸۱ سے تیمم جائز ہے اور ۱۳۰ سے ناجائز ہے۔ پھر زیادات کے بارے میں فرمایا: ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا و للہ الحمد. (۹)

کرنسی نوٹ کا حکم: اسی طرح کرنسی نوٹ ایک نو پید اور حادث چیز تھی فقہاے متقدمین و متاخرین کی کتابوں میں کہیں اس کی صراحت نہیں تھی جب دوسری بار اعلیٰ حضرت قدس سرہ ۱۳۲۳ھ میں حج و زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو مکہ مکرمہ کے دو اکابر عالم دین مولانا عبداللہ مرداد اور فاضل جلیل حامد احمد محمد جدّاوی نے نوٹ کے احکام سے متعلق ۱۲ بارہ سوالات پیش فرمائے، اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ نے بکمالِ استعجال نوٹ کے احکام سے متعلق ایک مبسوط رسالہ کِفْلُ الْفَقِیْہِ الْفَاھِم فِی اَحْکَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِم صرف ڈیڑھ دن کی قلیل مدت میں تصنیف فرما کر علماے عرب و عجم کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اور دلائلِ ساطعہ باہرہ ظاہرہ سے اس کا مال ہونا ثابت فرمایا، اس رسالہ کو پڑھنے کے بعد علماے عرب کی آنکھیں فرطِ مسرت سے چمک اٹھیں گویا انھیں کوئی مخفی خزانہ ہاتھ آ گیا ہو۔

اس سے قبل اعلیٰ حضرت کے استاذ الاستاذ حضرت شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر سابق مفتی حنفیہ مکہ سے بھی نوٹ کے متعلق سوال ہوا تھا تو انھوں نے صرف اس قدر جواب پر اکتفا فرمایا "اَلْعِلْمُ أَمَانَةٌ فِیْ أَعْنَاقِ الْعُلَمَاء وَاللہُ تعالیٰ أَعْلَمُ". علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔ مجھے اس کے جزیہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کچھ حکم دوں۔ مکہ معظّمہ کے ایک جلیل الشان عالم دین نے جب مذکورہ رسالے کا مطالعہ کیا اور اس مقام پر پہنچے جہاں اعلیٰ حضرت نے فتح القدیر سے یہ جزئیہ نقل فرمایا تھا "لَوْ بَاعَ کَاغِذَةً بِأَلْف یَجُوْزُ وَلَا یُکْرَہ" پھڑک اٹھے اور اپنے ران پر ہاتھ مارتے ہوئے بولے: أین جَمَالُ بْنُ عَبْدِ اللہِ مِنْ ھٰذَا النَّصّ الصرِیْح (۱۰) حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے؟ مذکورہ رسالہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے علاوہ اور بھی سینکڑوں مسائل ہیں جن کے احکام کا استخراج اعلیٰ

حضرت قدس سرہ نے اصول فقہ اور جزئیات فقہ کی روشنی میں فرمایا ہے۔

مختلف اقوال میں تطبیق وتوضیح: مشکلات ومبہمات کی تنقیح وتبیین، مختلف اقوال میں صحیح تطبیق اور ان سب کا ایسا معنی بیان کردینا جس سے اختلاف ہی ختم ہو جائے اور سب مناسب صورتوں پر منطبق ہو جائیں یہ بڑی مہارت اور وسعتِ نظر کا متقاضی ہے مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصانیف اور فکر انگیز تحقیقات میں بکثرت اس مہارت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ درج بالا عنوان کے تحت چند شواہد ذیل کی سطور میں ملاحظہ کریں۔

اِسراف فی الماء کا حکم: (۱) اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے ایک سول ہوا کہ طہارت میں بلاضرورت پانی زیادہ صرف کرنے کا کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا: اس بارے میں علمائے کرام سے چار طرح کے اقوال منقول ہیں۔ اول: یہ کہ مطلقا ناجائز اور حرام ہے یہ قول بعض شوافع حضرات کا ہے جسے خود شیخ مذہب شافعی علامہ نووی اور دوسرے محققین شافعیہ نے ضعیف فرمایا۔ دوم: مکروہ تنزیہی، خواہ بہتے ہوئے دریا میں ہو یا گھر میں حِلیہ اور بحر الرائق میں اسی کو اوجہ، اور نووی نے اظہر اور دوسرے ائمہ نے صحیح کہا ہے ۔سوم: مطلقا کراہت نہیں، نہ تنزیہی نہ تحریمی، صرف ادب اور امر مستحب کے خلاف ہے، بدائع، فتح القدیر، منیۃ المصلی غُنْیَہ، منیہ، خلاصۃ الفتاوٰی اور ہندیہ وغیرھا کتب میں ترک اِسراف کو آداب و مستحباتِ وضو سے شمار کیا گیا ہے اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں بلکہ سنت کا ترک مکروہ ہے۔ چہارم: نہرِ جاری میں اِسراف جائز ہے کہ پانی کا ضِیاع نہیں ہوتا ہے اور اس کے علاوہ میں مکروہ تحریمی، مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار کہا، عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں کراہت تحریم ہی کو ظاہر کہا اور اسی کو امام قاضی خان اور شمس الائمہ حلوائی وغیرھما اکابر کے کلام کا مفاد قرار دیا۔ (۱۱)

مذکورہ بالا چاروں اقوال میں بظاہر شدید اختلاف اور تعارض معلوم ہوتا ہے اور ایک عام مفتی کے لئے یہ فیصلہ نہایت مشکل ہے کہ وہ اِسراف فی الماء کے بارے میں کون سا حکم صادر کرے مگر اعلیٰ حضرت قدّس سرُّہ نے اس کمال مہارت کے ساتھ اس مشکل مقام کی توضیح اور مختلف اقوال میں تطبیق ظاہر فرمائی کہ سرے سے اختلاف ہی باقی نہ رہا۔ پہلے آپ نے ان تمام احکام کے علاحدہ علاحدہ محل کا تعین فرمایا پھر بعض احکام کو بعض صورتوں پر منطبق فرمایا۔ ان کے تطبیق کا خلا

صہ یہ ہے:

حرام: بلاضرورت سنت سمجھ کر پانی زیادہ صرف کرنا اگرچہ دریا میں ہو۔

مکروہ تحریمی: بلا اعتقادِ سُنت و بلاضرورت پانی اس طرح صرف کرنا کہ وہ ضائع ہو جائے۔

مکروہ تنزیہی: نہ سُنِّیَت کا اعتقاد ہو نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ لیکن عادۃً بلاضرورت پانی صرف ہو جائے۔

خلافِ ادب: سنیت کا اعتقاد ہو نہ پانی ضائع کرنے کا اردہ، نادراً بلاضرورت پانی صرف ہو عادی طور پر نہ ہو اس بصیرت افروز تطبیق کے بعد یوں رقم طراز ہوئے: یہ ہے بحمداللہ فقہِ جامع و فکرِ نافع و درکِ بالغ و نورِ بازغ و کمالِ توفیق و جمالِ تطبیق و حُسنِ تحقیق و عِطرِ تدقیق و باللہ التوفیق والحمدللہ رب العالمین الخ۔ (۱۲)

اس سے اعلیٰ حضرت کی ژرف نگاہی اور فقہی تبحر کا اندازہ ہوتا ہے واضح ہو کہ یہ تطبیق یوں ہی نہیں دے دی بلکہ پہلے ہر قول کے ماخذ کا جائزہ لیا پھر اصولِ فقہ کی روشنی میں تطبیق کی راہ نکالی اور فقہا کے اقوال سے مؤید و مبرہن فرمایا۔ اس مسئلے کی پوری تفصیل و تحقیق رسالہ "برکات السماء فی حکمِ إسراف الماء" (۱۳۲۷ھ) فتاویٰ رضویہ جلد اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) افضیلتِ سیِّد الانبیاء اور افضلیتِ قرآن کا مسئلہ

دُرِّ مُختار باب المیاہ سے ذرا پہلے یہ مسئلہ مذکور ہے۔ وَمَحْوُ بَعْضِ الْكِتَابَةِ بِالرِّيْقِ يَجُوْزُوَ قَدْ وَرَدَ النَّهْيُ فِي مَحْوِ اسمِ اللهِ بالبُزاقِ و عنه عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ والسَّلامُ: القُراٰنُ أَحَبُّ إِلى اللهِ تَعالى مِنَ السَّماواتِ وَالأَرضِ وَ مَنْ فِيْهِنَّ.

کسی تحریر کو تھوک سے مٹانا جائز ہے البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام تھوک سے مٹانے کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے: قرآن اللہ کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں اور ان سب سے افضل ہے جو آسمانوں میں اور زمینوں میں ہیں۔ اس حدیث میں قرآن کو آسمانوں اور ان میں بسنے والے سب لوگوں سے افضل بتایا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی افضل ہے یا نہیں! بعض علما اثبات کے قائل ہیں اور بعض نفی کے۔ اب اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب ملاحظہ فرمائیں آپ لکھتے ہیں: ظاھِرُہ يَعُمُّ

النَّبِیِّ ﷺ وَالْمَسْئَلَةُ ذَاتُ خِلَافٍ وَالأَحْوَطُ التوَقُّفُ (۱۳) ظاہر حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضور ﷺ سے بھی افضل ہے مگر زیادہ احتیاط یہ ہے کہ توقف کیا جائے۔

متأخرین فقہا میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا کتنا بلند مقام ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر آپ نے توقف کی راہ اختیار فرمائی مگر امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے جدُّ الممتار میں "والأحْوَطُ التَّوَقُّفُ" کے تحت تحریر فرمایا: لَا حَاجَةَ إِلَى التوَقُّفِ وَالْمَسْئَلَةُ وَاضِحَةُ الْحُكْمِ عِنْدِي بِتَوْفِيْقِ اللهِ تَعَالىٰ فَإِنَّ الْقُرْآنَ إِنْ أُرِيْدَ بِهِ الْمُصْحَفُ أَعْنِي الْقِرْطَاسَ وَالْمِدَادَ فَلَاشَكَّ أَنَّهُ حَادِثٌ وَ كُلُّ حَادِثٍ مَخْلُوْقٌ فَالنَّبِيُّ ﷺ أَفْضَلُ مِنه' وَإِنْ أُرِيْدَ بِه كَلَامُ اللهِ تَعَالىٰ الذى هِيَ صِفَتُهُ فَلَاشَكَّ أَنَّ صِفَاتِه تَعَالىٰ أَفْضَلُ مِنْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ فَكَيْفَ يُسَاوِيْ غَيْرُه' مَا لَيْسَ بِغَيْرِه تَعَالىٰ ذِكْرُه وَ بِه يَكُوْنُ التَّوْفِيقُ بَينَ الْقَوْلَينِ (۱۴) توقف کی کوئی ضرورت نہیں میرے نزدیک اللہ کی توفیق سے مسئلہ کا حکم واضح ہے اس لیے کہ قرآن سے اگر مصحف یعنی کاغذ اور روشنائی مراد ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حادث ہے اور ہر حادث مخلوق ہے اور جو بھی مخلوق ہے نبی کریم ﷺ اس سے افضل ہیں اور اگر قرآن سے مراد کلام الٰہی ہے جو باری تعالیٰ کی صفت ہے (یعنی کلام نفسی) تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صفات باری تعالیٰ جمیع مخلوقات سے افضل ہیں۔ اور مخلوق جو غیر خدا ہے بھلا اس کے (صفت) برابر کیوں کر ہو سکتا ہے جو غیر ذات نہیں اس کا ذکر بلند ہو ہماری اس توجیہ سے دو مختلف اقوال میں تطبیق ہو جا تی ہے۔

یعنی جن علما نے کہا: کہ قرآن افضل ہے ان کی مراد قرآن سے صفت الٰہی قدیم ہے جو بلا شبہ تمام مخلوقات سے افضل ہے اور جن علما نے نبی کریم ﷺ کو قرآن سے افضل بتایا انہوں نے قرآن سے مصحف مراد لیا، جو کاغذ اور روشنائی کا مجموعہ ہے۔ یقیناً سید عالم ﷺ اس سے افضل ہیں۔ یہ ہے امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت فی الدین اور دِقّتِ نظر کہ اس لاینحل مسئلہ کا حل بھی پیش فرمایا اور دو مختلف اقوال میں خوبصورت تطبیق بھی پیش فرمائی۔

ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مُد پانی سے وضو کا مسئلہ

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صاع سے لے کر پانچ مد تک پانی سے غسل اور ایک مد سے وضوفر مالیا کرتے تھے رواہ مسلم واحمد والترمذی، ابن ماجہ والطحاوی عن سفینہ۔ دوسری روایت حضرت ابوعمامہ باہلی رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصف مد سے وضوفرمایا اس حدیث کو ابو یعلیٰ، طبرانی اور بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابوداؤ دونسائی کی حدیث میں جس کو انہوں نے ام عمارہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے دو تہائی مد کا ذکر ہے ابن خزیمہ اور ابن حبان کی صحیح میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ایک تہائی مد کا ذکر ہے۔ آپ غور کریں کہ ان روایتوں میں باہم کتنا تضاد اور تعارض معلوم ہوتا ہے کہ پہلی روایت میں ایک مد دوسری میں نصف، تیسری میں دو تہائی اور چوتھی میں ایک تہائی مد کا ذکر ہے۔ عام قاری ان تفصیلات کو پڑھنے کے بعد حیران ہوجاتا ہے کہ آخر یہ تمام روایتین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیسے ثابت ہیں؟ اور اختلافِ روایات کے اسباب کیا ہیں؟

اس پیچیدہ اور مشکل مقام کی عقدہ کشائی اعلیٰ حضرت اس انداز میں فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کی آنکھیں روشن ہوجاتی ہیں: اقوال واحادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادتِ کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا اور کبھی دو بار اعضاے وضو دھوئے جیسا کہ بخاری نے عبد اللہ بن زید اور ابوداؤ دوترمذی اور ابن حبان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے اور کبھی ایک بار دھونے پر قناعت فرمائی جیسا کہ بخاری، دارمی، ابوداؤد، نسائی، طحاوی ورابن خزیمہ نے عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی روایت فرمائی۔ (۱۴)

غالباً جب ایک ایک بار اعضاے کریمہ دھوئے تہائی مد پانی خرچ ہوا اور دو دو بار میں دو تہائی اور تین تین بار دھونے میں پورا مد خرچ ہوتا تھا۔ ملخصاً (فتاوی رضویہ ج اول ص ۱۴۰۔۱۴۱ باب الغسل) ان عبارتوں سے آپ کی دقت نظر آشکار ہوتی ہے وہیں یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ ذخیرۂ احادیث پر آپ کی نظر کتنی گہری تھی۔

تین مد پانی سے غسل کر لینے کی توجیہ: صحیح مسلم میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے: إِنَّمَا كَانَت تَغْتَسِلُ هِيَ وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي إِنَاء وَاحِد يَسَعُ ثَلٰثَةَ أَمْدَاد أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذٰلِك . وہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برتن میں جو تین مد یا اس کے قریب کی

گنجائش رکھتا تھا، نہا لیتے۔ اس پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ دونوں کا غسل اسی تین مد پانی سے ہو جاتا تو ایک غسل کے لیے ڈیڑھ ہی مد پانی رہا مگر علما نے اسے بعید جان کر تین توجیہیں فرمائیں۔

اوّل: یہ کہ ہر ایک کے علاحدہ غسل کا بیان ہے کہ حضور اسی ایک برتن سے جو تین مُد کے برابر تھا غسل فرما لیتے ذکرہ القاضی عیاض۔

اس پر امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ متعدد صحیح احادیث کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ حضرت ام المؤمنین کا قصد فی اناء واحد سے یہ ہے کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک برتن سے غسل فرمایا جیسا کہ اس کی مزید صراحت شیخین کی روایت تَخْتَلِفُ أَيْدِيْنَا فِيْهِ اور مسلم کی دوسری روایت "مِنْ إِنَاء بَيْنِي وَ بَيْنَه وَاحِد فَيُبَادِرُنِي حَتّٰى اَقُوْلَ دَعْ لِي" (۱۵) سے ہوتی ہے۔

یہ احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ ام المؤمنین اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک برتن سے ایک ساتھ غسل فرمایا۔

دوم: یہ کہ مد سے یہاں صاع مراد ہے تا کہ یہ فرق والی حدیث کے موافق ہو جائے جس میں فَرَق سے تین صاع مراد ہے۔ (واضح ہو کہ امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے یہاں مد دو رطل کا ہوتا ہے اور موجودہ پیمانہ سے تین پاؤ کا اور صاع ہمارے نزدیک ایک پیمانہ ہے جو آٹھ رِطل یعنی تین سیر کا ہوتا ہے۔ اس دوسری توجیہ پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں یہ اس کا محتاج ہے کہ مُد بمعنی صاع زبانِ عرب میں آتا ہو اور اس میں سخت عمل ہے۔ فقیر نے صحاح، صراح، قاموس، تاج العروس، لغاتِ عرب مجمع بحار الانوار، نہایہ، مختصر السیوطی، لغات حدیث، طلبۃ الطلبۃ، مصباح المنیر اور لغاتِ فقہ میں اس کا پتہ نہ پایا اور بالفرض بطور شاذ اگر آیا بھی ہو تو بھی بغیر کسی قرینہ اس پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

سوم: یہ کہ حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں ہے تو ممکن ہے کہ جب پانی ختم ہو گیا ہو تو دونوں نے اور زیادہ فرما لیا ہو۔ اس پر فرماتے ہیں اقول: یہ بھی بعید ہے کہ اس تقدیر پر ذکر کی گئی مقدار عبث اور بے کار ہو جائے گی اور قریب تر توجیہ وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کی، اس لیے حدیث

کو اگر اشتراک پر محمول کیا جائے تو ممتنع نہیں اس لیے ابویعلی اور طبرانی کی روایت میں نصف مد سے وضو کرنے کا ذکر ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مد سے کم پانی میں پورے جسم کا غسل ممکن نہیں اس کو علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں ذکر فرمایا ہے تو اس کا مفاد یہ ہوا کہ ایک مد سے پورے جسم کا دھونا ممکن ہے اور یہاں تو ڈیڑھ مد ہے اتنے پانی سے غسل کر لینا بدرجۂ اولی ممکن ہے۔(۱۶)

یہاں اعلیٰ حضرت کی جولانئ فکر اور فہم حدیث تو دیکھیے کہ وہ مشکل مقام جہاں حضرت قاضی عیاض اور امام نووی جیسے محققین فن کی دوربیں نگاہیں نہیں پہونچ سکیں اور ایسی توجیہات ان سے واقع ہوئیں جو راویت و درایت دونوں کے خلاف تھیں اعلیٰ حضرت نے ان کی فروگذاشت پر تطفل ظاہر کرتے ہوئے حدیث پاک کی وہ نفیس توضیح فرمائی کہ حدیث اپنے اصل معنیٰ پر باقی بھی رہی اور اعتراضات سے سالم بھی۔

مصادر و مراجع:

(۱) حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء سید ظفر الدین بہاری ۱/ ۱۰۲ مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۳ء

(۲) مرجع سابق ۱/ ۱۱۵۔ ۱۱۴ (۳) مرجع سابق ۱/ ۱۱۴ (۴) مرجع سابق ۱/ ۱۳۳

(۵) مرجع سابق ۱/ ۲۵۲ (۶) مرجع سابق ۱/ ۲۵۷

(۷) حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء ۱/ ۱۰۱ مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۲۰۰۳ء

(۸) الإجازت المتنیة لعلماء مكة والمدينة ص ۳۵۹ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء

(۹) فتاوٰی رضویہ ۱/ ۱۰۷ باب التیمّم

(۱۰) حیات اعلیٰ حضرت از ملک العلماء ۱/ ۳۴۳ مطبع پور بندر

(۱۱) فتاوٰی رضویہ ج ۱ ص ۱۶۷ باب الغسل مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی

(۱۲) مرجع سابق ج اول ص ۲۰۷ باب الغسل

(۱۳) جد الممتار علی رد المحتار ۱/ ۱۲۰۔ ۱۱۹ کتاب الطہارۃ، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور اعظم گڑھ ۱۹۸۲ء

(۱۴) فتاوٰی رضویہ ج اول ص ۱۶۰۔ ۱۶۱، باب الغسل

(۱۵) مرجع سابق (۱۶) مرجع سابق

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی صوفیانہ عظمت

مفتی محمد رضا قادری مصباحی
استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

فقیہ اسلام، مجدد مائۃ ماضیہ، محی العلوم والدین، عبقری الزمان، قطب الارشاد، عارف باللہ، تاج الصوفیہ، رأس الکملا، شیخ الاسلام والمسلمین، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ (ولادت: ۱۰رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ/ ۱۴رجون ۱۸۵۶ء۔ وصال: ۲۵رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸راکتوبر ۱۹۲۱ء) بیسوی صدی عیسوی میں عالم اسلام کی سب سے بڑی عبقری شخصیت کا نام ہے۔ وہ اپنے عہد کے عظیم فقیہ، عاشق رسول اور بلند پایہ صوفی تھے۔ گذشتہ کئی صدیوں کی تاریخ میں آپ کی مثل جامع علوم وفنون اور اجتہادی شان رکھنے والی شخصیت نظر نہیں آتی۔ ان کی ہمہ گیر اور متنوع الجہات شخصیت کا جس قدر مطالعہ کیا جارہا ہے ان کی آفاقیت اتنی ہی زیادہ نکھر کر سامنے آرہی ہے۔ شریعت وطریقت کی نہریں جس سنگم پر آکر باہم مل جاتی ہیں اس کا نام امام احمد رضا قادری ہے۔ عبقری شخصیات کے تذکروں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی علوم شرعیہ کا بحر ناپیدا کنار ہے تو فلکیات وریاضیات وہیئات میں درک نہیں رکھتا اگر کوئی ابن رشد اور ابن سینا ہے تو وہ امام غزالی نہیں ہے۔ لیکن شخص واحد میں امام اعظم کا تفقہ، امام بخاری کا علم حدیث، امام ذہبی وعسقلانی کا علم نقد رجال، امام غزالی کا علم تصوف، امام رازی کا فلسفہ، ابن سینا کا علم طب، جابر بن حیان اور عباس ابن فرناس کا علم فلکیات کا اجتماع اگر کسی شخص واحد میں مجتمع نظر آئے تو اسے عبقری وقت اور فرید دہر نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ لیس علی اللہ بمستنکر أن یجمع العالم في واحد.

اعلیٰ حضرت کی نگاہ چودہ سو سالہ علوم وفنون کے ذخائر پر تھی۔ آپ نہ صرف مجدد دین تھے بلکہ آپ محی العلوم بھی تھے، بہت سے مردہ وناپید علوم کو آپ نے حیاتِ نو بخشی۔ بعض علوم ایسے تھے جن کے واقف کار پوری دنیا میں ایک یا دو سے زیادہ نہیں تھے۔ جس نے بھی جس زاویہ سے آپ کی ذات کا مطالعہ کیا اس نے آپ کو اس علم یا فن کا امام پایا۔ مگر آپ کی تمام شانوں پر شان

فقیہانہ غالب رہی، پوری دنیا نے ایک عظیم فقیہ اور محدث کی حیثیت سے آپ کی عظمت کو تسلیم کیا، آپ کے فتاوٰی کو اعتماد و استناد اور اعتبار کی نگاہوں سے دیکھا۔ آپ بحیثیت صوفی معروف نہ ہوئے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صوفی نہیں تھے۔ اعلیٰ حضرت کے عہد میں ان سے بڑا صوفی کہیں دور دور تک دکھائی نہیں دیتا، ایسا صوفی جس کے ایک ہاتھ میں شریعت کا ترازو ہو اور دوسرے ہاتھ میں طریقت کا دامن، اعلیٰ حضرت نے تصوف وطریقت کو شریعت سے الگ خیال نہیں کیا اور دو جداگانہ راستے نہ بنائے بلکہ اپنی زندگی میں عملی طور پر شریعت وطریقت کا امتزاج کیسا ہوتا ہے برت کر دکھا دیا۔ پس صوفی وہی ہے جس کا قول یا عمل شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کی مخالفت نہ کرے۔

عارف باللہ سیدنا عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ طبقات الشافعیۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں: التصوف إنما هو زبدة عمل العبد بأحكام الشريعة. تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ[1] سیدنا ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی قدس سرہ فرماتے ہیں: التصوف تصفية القلوب، و اتباع النبي صلى الله تعالى عليه و سلم فى الشريعة. [2] تصوف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے اور طریقت اس راہ کا نام ہے جو خدا تک پہونچائے۔ اب خدا تک پہنچانے والی راہ کون سی ہے؟ اسے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی زبان فیض ترجمان سے سنیے۔ آپ فرماتے ہیں: أقرب الطرق إلى الله تعالى لزوم قانون العبودية و الاستمساك بعروة الشريعة. [3]

اللہ عزوجل کی طرف سب سے قریب راستہ قانون بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رکھنا ہے۔

حضرت ابوالقاسم قشیری قدس سرہ رسالۂ مبارکہ قشیریہ میں سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی، معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا بیان نقل فرماتے ہیں: من ألزم نفسه آداب

---

۱) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، از امام احمد رضا قدس سرہ، ۱۳۲۷ھ۔ مطبوعہ دہلی ص ۳۰

۲) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما (ایضا) اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ، ص ۲۱

۳) بہجۃ الاسرار للعلامہ أبي الحسن علي الشطنوفي اللخمي، الشافعي، المصري۔

الشریعة نور اللہ قلبه بنور المعرفة و لا مقام أشرف من مقام متابعة الحبیب فی أوامره و أفعاله و أخلاقه.

جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کر لے اللہ تعالی اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کر دے گا۔اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام، افعال اور عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر تم کسی کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب، مکروہ وحرام اور محافظتِ حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے؟ (۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہ بات بخوبی عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ انھوں نے پوری زندگی سختی کے ساتھ شریعت پر عمل کیا، ہر فرض و واجب کی محافظت کی اور اتباع سنت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا۔جس کے نتیجے میں آپ کا آئینۂ قلب اتنا مُجلّٰی ومُزکّی اور مُصَفّٰی ہو چکا تھا کہ اس کے آثار عہد طفولیت ہی میں نظر آنے لگے۔جب ۲۲ سال کی عمر میں ۱۲۹۴ھ میں حضور خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو مرشد نے اسی وقت اجازت وخلافت کی نعمت سے بھی سرفراز کر دیا اور ریاضت ومجاہدہ کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اعلیٰ حضرت پر حضور خاتم الاکابر کی توجہ تشبیہی:

امام احمد رضا قدس سرہ ۱۲۹۴ھ میں محب رسول، تاج الفحول علامہ شاہ عبد القادر بدایونی کے ایما پر اپنے والد ماجد خاتم المحققین علامہ نقی علی خان قادری برکاتی کی معیت میں مارہرہ مطہرہ حضور خاتم الاکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی مارہروی (م۱۲۹۶ھ) علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں پہونچے۔قطب العارفین، شمس مارہرہ حضور سید شاہ آل احمد اچھے میاں قدس سرہ کا

---

۱) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، ص:۱۸، بحوالۂ رسالۂ قشیریہ۔

مکان سجادگی ہے، پتھر کی چوکھٹ والے حجرے میں ایک منقش چوبی تخت بچھا ہوا ہے۔ آگے کا واقعہ خود اس خاندان کے چشم و چراغ حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی قدس سرہ کے قلم سے ملاحظہ کریں:

آج اس تخت پر قدوۃ العارفین، خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی رضی اللہ عنہ رونق افروز ہیں۔ سامنے بریلی کے معزز و مقدس گھرانے کے ایک ممتاز رکن تشریف فرما ہیں۔ اسم گرامی محمد احمد رضا خان (رحمۃ اللہ علیہ) ہے۔ سلسلۂ عالیہ میں شامل ہونے کی تمنا لے کر آئے ہیں۔ حضرت خاتم الاکابر ایک ہی نظر میں نوجوان صاحبزادے کی عالی ظرفی، بلند اقبال اور روحانی استطاعت و استعداد پہچان لیتے ہیں۔ ہاتھوں میں ہاتھ لیتے ہیں۔ قطرہ سمندر سے جا ملتا ہے اور ایسا ملتا ہے کہ خود بحر بیکراں بن جاتا ہے۔ رسم بیعت اختتام پذیر ہوتی ہے۔ مرشد کی روحانی توجہ سے سرشار مرید حجرے سے باہر تشریف لاتے ہیں۔ خدام خانقاہ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بے اختیار اسم جلالت ''اللہ، اللہ'' پکار اٹھتے ہیں۔ اس خانوادے کی روایت کے مطابق اسم جلالت صرف اسی وقت بلند کیا جاتا ہے جب صاحب سجادہ اپنے حجرۂ سجادگی سے برآمد ہوتا ہے۔ آج خادموں کو یہ کیا سوجھی؟ حضرت خاتم الاکابر تو اب بھی اپنی جگہ تشریف فرما ہیں۔ حجرے سے باہر آنے والے تو محمد احمد رضا ہیں۔ پھر آج خاندانی روایت میں یہ فرق کیسا؟ لیکن خادموں کا بھی کوئی قصور نہیں۔ ان کی نظر اس وقت احمد رضا کو نہیں خاتم الاکابر شاہ آل رسول کو دیکھ رہی ہیں۔ سبحان اللہ! کیا طالب اور کیا مطلوب؟ تصرف ہو تو ایسا، ایک نظر میں اپنا جیسا بنا دیا۔ حجرہ شریف میں داخل ہوئے تھے احمد رضا اور جب باہر تشریف لائے تو واقف رموز جلیہ و خفیہ، کاشف غواص علمیہ، حلّالِ مشکلات ہر علم و فن، علامۂ زمن، مرجع العلماء، محی الملۃ والدین، شیخ الاسلام والمسلمین، امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکۃ، مجدد دین وملت بن چکے تھے۔ [1]

نبیرۂ حضور خاتم الاکابر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی، صاحب سجادہ آستانۂ برکاتیہ مارہرہ شریف رقمطراز ہیں: مجھ سے میرے والد حضور سیدی احسن العلماء مدظلہ و عم مکرم حضور سید العلماء علیہ الرحمۃ والرضوان اور دادا صاحب حضرت سید آل عبا قادری نوری مدظلہ نے فرمایا:

---

[1] ماہنامہ المیزان، ممبئی کا امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۵۔ مطبوعہ ۲۶ / مارچ ۱۹۷۶ء

ایک صدی سے زیادہ گذرا ۱۲۹۴ھ میں ایک نوجوان صاحبزادہ مع اپنے والد بزرگوار مارہرہ کی خانقاہ برکاتیہ میں تشریف لائے، سجادۂ غوثیہ پر خاتم الاکابر سید شاہ آلِ رسول احمدی قدس سرہ تشریف فرما تھے۔ایک مختصر مجلس میں جس میں خاتم الاکابر کے خلیفہ پوتے قدس سرہ، حضور مفتیٔ اعظم ہند قبلہ دامت برکاتھم القدسیہ کے پیر ومرشد یعنی جد مکرم حضور پرنور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ نوری میاں قدس سرہ اور میرے پردادا حضرت سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں رحمۃ اللہ علیہ جو خاتم الاکابر شاہ آل رسول احمدی قدس سرہ کے حقیقی نواسے اور بڑے محبوب خلیفہ تھے تشریف فرما تھے۔ان دونوں حضرات بریلی کو بیعت فرما کر خلافت سے نوازا گیا۔نوری دادا نے پوچھا کہ حضور! آپ کے خاندان میں تو خلافت بڑی ریاضت اور مجاہدے کے بعد دی جاتی ہے، ان دونوں حضرات کو آپ نے فوراً اخلافت عطا فرمادی۔حضرت سیدی شاہ آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: میاں صاحب!''اور لوگ گندے دل اور نفس لے کر آتے ہیں ان کی صفائی کی جاتی ہے پھر خلافت سے نوازا جاتا ہے مگر یہ دونوں حضرات پاکیزگیٔ نفس کے ساتھ آئے تھے صرف ''نسبت'' کی ضرورت تھی، وہ ہم نے عطا کردی''۔(۱)

مذکورہ بالا حقائق سے یہ معلوم ہوا کہ آپ کے مرشد نے آپ پر توجہ تشبیہی ڈال کر ایک ہی لمحہ میں فنا فی الشیخ، فنا فی الغوث اور فنا فی الرسول کی منزلوں سے گذار کر فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچا دیا اور سارے معارف وحقائق سپرد کردیے، لیکن یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ امام احمد رضا قادری نے طریقت کی تعلیم باضابطہ حاصل نہیں کی۔ بلکہ آپ خود فرماتے ہیں:

دو جمادی الأولی ۱۲۹۴ھ میں شرف بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت حضور پرنور پیرو مرشد برحق سے حاصل کی، ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابن الابن وولی عہد وسجادہ نشین کے سپرد فرمایا''۔(۲)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے مرد کامل راہ سلوک طے نہیں کی جاسکتی، اگر علم ظاہر سے یہ راستہ طے کیا جاسکتا اور وصول الی اللہ ممکن ہوتا تو اعلیٰ حضرت جیسے جبل العلم کو تلاش مرشد کی

---

۱) ماہنامہ المیزان، ممبئی کا امام احمد رضا نمبر ص ۲۳۶۔مطبوعہ ۲۶ / مارچ ۱۹۷۶ء
۲) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء، ص ۴۴۔۴۵

ضرورت کیا تھی؟ معلوم ہوا کہ کسی کا علم سمندر جیسا بھی وسیع کیوں نہ ہو وہ بغیر مرشد کے اللہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ سلوک کا راستہ قال سے نہیں حال سے طے پاتا ہے۔ عقل سے نہیں عشق سے طے ہوتا ہے۔ یہ راستہ جسم کے ساتھ نہیں دل کے ساتھ طے کیا جاتا ہے۔

میرے استاذ گرامی عمدۃ المحققین، خیر الأذکیاء، علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ نے اپنی کتاب ''امام احمد رضا اور تصوف'' میں تصوف کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ راقم سطور بھی ان کی اتباع میں تصوف کی تین قسمیں بیان کرتا ہے:

تصوف اعتقادی، تصوف عملی اور تصوف علمی

درج ذیل سطور میں تینوں اقسام کے الگ الگ شواہد پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ ہر زاویے سے امام احمد رضا قادری کی روحانی شخصیت آشکار ہو سکے۔

تصوف اعتقادی

تصور وحدۃ الوجود: متقدمین صوفیہ میں شیخ محی الدین ابن عربی سے لے کر خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری اور شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی سے لے کر حضرت سراج العارفین سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہم الرحمہ تک اکابر صوفیۂ اسلام کا مسلک وحدۃ الوجود رہا ہے۔ صوفیہ اور اہلِ عرفان لاموجود الا اللہ کے قائل ہوتے ہیں۔ ان کی نظر میں خدا کے سوا سب معدوم ہیں موجود صرف ذات اُحد ہے۔ اہل ظاہر نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ معنی عقول متوسطہ کی دنیا سے ماورا ہے اور عقلاً اس کا ادراک ممکن نہیں۔

علامہ فضل حق خیر آبادی غالباً وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے ''الروض المجود فی وحدۃ الوجود'' میں اس عقیدے کی حقانیت پر عقلی دلیل قائم کی۔ حضور سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہ نے اپنی تصنیف ''سراج العوارف فی الوصایا والمعارف'' کے اندر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان فرق ظاہر کرتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے:

وحدۃ الوجود یہ ہے کہ عارف کی نگاہ میں بھی غیر اللہ محجوب ہو جائیں اور علم سے بھی، سوائے حق تعالیٰ کے اس کی نگاہ میں کوئی، نہ عقلی طور پر موجود ہو نہ حسی طور پر وہ جدھر نظر اٹھائے اسے جلوۂ حق ہی نظر آئے۔ خود اپنا وجود بھی اس کی نگاہ و علم سے مستور ہو اور یہ فنائیت کا سب سے اونچا مقام

ہے۔اور وحدۃ الشہود یہ ہے کہ سالک وعارف کے صرف مجاہدے سے غیر اللہ محجوب ہو جائے علم و عقل میں باقی رہے۔یعنی جب وہ دیکھے تو اسے جلوۂ حق ہی مشہود ہو لیکن یہ معلوم ہو کہ زمین و آسمانی مخلوقات بھی اپنے وجود کے ساتھ موجود ہیں۔راقم سطور کی نگاہ میں یہ مرتبہ وحدۃ الوجود سے فروتر ہے کہ اس میں فنائے تام من کل الوجوہ حاصل نہیں ہوتی۔علم وعقل میں غیر اللہ کا وجود باقی رہتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے سورج کی موجودگی میں تارے معدوم نظر آتے ہیں لیکن علم انسان میں یہ رہتا ہے کہ تارے موجود ہیں۔صوفیہ کا یہ کہنا لاموجود إلا اللہ ولا مشھود إلا اللہ اسی قبیل سے ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ زندگی بھر وحدۃ الوجود ہی کی حقانیت کے قائل رہے اور اپنی تصانیف منیفہ میں جابجا اس کا ذکر بھی کیا۔ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''مرتبۂ وجود میں صرف حق عز وجل ہے کہ ہستی حقیقتاً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے۔ وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلا وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔کل شيء ھالک إلا وجھہ اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو، زید وعمر و ہر شی خدا ہے۔یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔گر فرق مراتب نہ کنی زندیق ست۔اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں''۔(۱)

دوسرے مقام پر ایک تقریبی مثال سے اس مسئلے کی مزید تنقیح وتبیین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک بادشاہ اعلی جاہ آئینۂ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شیء کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔بعض صورت میں خلاف نظر آتی ہے۔بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی۔ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی۔کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی۔یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے نہ وہ صورت جس کا ان میں عکس

---

۱) کشف حقائق وأسرار دقائق ۱۳۰۸ھ مطبوعہ الہ آباد ص:۱۵

ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ ان کے لیے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ و للہ المثل الأعلی. (۱)

صفات باری عین ذات یا غیر ذات؟

متکلمین اہلسنت صفات باری سے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ نہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔ اور صوفیۂ کرام انھیں عین ذات مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیہ جب لاموجود إلا اللہ کے قائل ہیں تو وہ صفات کو غیر ذات یا لاعین ولاغیر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ چونکہ عبقری فقیہ تھے اور ظاہر بینوں کے ماحول میں رہتے تھے اس لیے متکلمین کے مسلک پر انھوں نے صفات باری کو لاعین ولاغیر بتایا مگر المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ) مصنفہ علامہ فضل رسول بدایونی کے حاشیہ "المستند المعتمد بناء نجاة الأبد" (۱۳۲۰) میں مسلک صوفیہ کی کامل تحقیق فرمائی ہے اور آخر میں لکھا ہے:

فالذی نعتقده فی دین الله تعالی أن له عز و جل صفات أزلية قديمة، قائمة بذاته عز و جل، لوازم لنفس ذاته تعالی و مقتضيات لها بحيث لا تقدير للذات بدونها و هی المفتاقة إلی الذات، لأنها باقتضائها و قيامها بها، وهی الكمالات الحاصلة للذات بنفس الذات فلا مصدق لها إلا الذات. فلها حقيقة بها هي هي و هي المعاني القائمة القديمة المقتضيات للذات و حقيقة بها هي و ما هي إلا عين الذات من دون زيادة أصلا، فافهم و تثبت، و إياك أن تزل، فإن المقام مزلة الأقدام، و بالله التوفيق و به الاعتصام. (۲)

حقیقت محمدیہ علیہا التحیۃ والثنا

مقام مصطفی علیہ التحیۃ والثنا کی رفعت کیا ہے؟ حقیقت محمدیہ کیا ہے؟ اہل نظر نے اس پر

---

۱) فتاویٰ رضویہ، ششم ص: ۱۳۳۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی ۱۹۹۴ء۔

۲) المستند المعتمد، حاشيه المعتقد المنتقد، للشيخ أحمد رضا خان القادري، ص ٤٧. مطبوعه المجمع الإسلامي، مبارك فور ١٩٩٩م

بہت کچھ لکھا ہے اور اپنے اپنے ذوق وعرفان کے مطابق کلام کیا ہے اور حق تو یہ ہے کہ اس کا صحیح عرفان ذات حق کے علاوہ کسی کو نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا أبابکر لم یعرفنی حقیقتی غیر ربی. اے ابوبکر! میری حقیقت کو میرے رب کے سوا کسی نے نہیں جانا۔ امام احمد رضا قدس سرہ حقیقت محمدیہ کو وجوب وامکان کے درمیان برزخ کبریٰ قرار دیتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

''جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذات حق ہے باقی سب اسی کے پرتوِ وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفیٰ ہے، باقی سب اسی کے عکس کا فیض وجود۔ مرتبۂ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبۂ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہاں اس کے آبگینے۔

وفی ھٰذا اقول:　خالقُ کُلّ الوَری رَبُّك لا غیرُہ

نورُك کُلُّ الوَرٰی غیرُك لَمْ لَیْسَ لَنْ

أی لم یوجد، ولیس موجودا، ولن یوجد أبدا

نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جس طرح عالم اپنی ابتداے وجود میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا کچھ نہ بنتا۔ یوں ہی ہر شی اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعتاً فناے محض ہو جائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوتو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے[1]

اس مضمون کو قدرے اختصار کے ساتھ کشف حقائق واسرار دقائق میں لکھا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ وہ عارف ربانی ہیں جو نازک مسائل کی گتھیاں شعروں میں سلجھایا کرتے ہیں اور جہاں نثر میں کشف حقائق وافشاے دقائق کے لیے الفاظ کا دامن تنگ نظر آتا ہے کہ ظاہر بیں غلط سلط مطالب نہ نکال لیں وہاں شعری پیرایۂ بیان میں عشق وعرفان کا سمندر بہاتے نظر آتے ہیں۔ اور اس پر خطر وادی سے اس انداز میں خرام ناز کرتے ہوئے گذر جاتے

---

[1] صلات الصفا فی نور المصطفی ۱۳۲۹ھ۔ مطبوعہ کراچی، ۵۹ تا ۶۱۔ ملخصا

ہیں کہ شریعت وحقیقت کی عظمت مجروح نہیں ہونے دیتے۔ ذرا عشق وعرفان سے لبریز، کوثر و تسنیم میں ڈھلے ہوئے یہ اشعار ملاحظہ کریں۔

ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکاں کے شاہ
برزخ میں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

(۱)

حقیقت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام عالم امکان اور ذات واجب الوجود کے درمیان برزخ اور واسطہ ہے اس مسئلہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ اعلیٰ حضرت نے کس طرح بیان کیا اسے دیکھیں۔

وہ فرماتے ہیں: ہم وجود کی صرف دو قسمیں جانتے ہیں ایک واجب دوسری ممکن، اب ذات مصطفیٰ کو ہم کس میں شامل کریں۔ اگر ممکن مانیں تو ممکن میں ایسی قدرت اور تصرف کہاں جو ہم ذات مصطفیٰ میں دیکھ رہے ہیں کہ چشم زدن میں عالم مکاں سے عالم لامکاں کی سیر کر کے صحیح و سلامت واپس بھی ہو گئے۔ اشارہ کیا تو چاند شق ہو گیا، اشارہ پا کر سورج ٹھہر گیا، اشارہ پاتے ہی سورج پلٹ آیا، بے جان کنکروں نے کلمہ پڑھا۔ جانوروں نے سجدے کیے۔ ان کے انگشتہائے مبارک سے پانی کا چشمہ جاری ہوا جس سے تقریبا پندرہ سو اصحاب نے سیرابی حاصل کی۔ ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا۔ ان تصرفات واختیارات کو دیکھتے ہوئے آپ کو ممکن کیسے کہا جائے اور واجب بھی کیسے کہوں کہ بندہ واجب نہیں ہوسکتا۔ عقل حیران ہے کہ اگر یہ کہوں کہ وہ واجب بھی نہیں ممکن بھی نہیں تو یہ بھی خطا اور غلط ہے۔ وہ واجب نہیں تو ممکن ضرور ہیں۔ اس لیے حق یہ ہے کہ وہ خدا کے بندہ ہونے کے ساتھ عالم امکان کے بادشاہ ہیں۔ یعنی ممکن تو ہیں لیکن عام ممکنات سے نہیں۔ نہ تو وہ خدا ہیں نہ عالم امکان یعنی عام ممکنات سے ہیں بلکہ وہ اللہ کے سربستہ راز اور خالق ومخلوق کے درمیان برزخ ہیں۔ پہلے شعر میں یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں کا اشارہ واجب

۱) حدائق بخشش، حصہ اول، ص ۱۱۰۔ مطبوعہ مجلس المدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی)

اور ممکن کی طرف ہے یعنی ان کی ذات سے ممکن اور واجب کی نفی کرنا دونوں خطا ہے۔ اور شعر ثانی میں یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں کا اشارہ عام ممکنات اور ذات الٰہ کی طرف ہے۔ نہ کہ واجب و ممکن کی طرف۔ یہ بعض علما و عرفا کا قول ہے۔ ہمارے استاذ گرامی خیر الأذکیاء، علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہ نے بھی ان دونوں اشعار کی یہی مذکورہ تشریح کی ہے۔ تفصیل کے لیے امام احمد رضا اور تصوف ص ۲۴، ۲۵ کا مطالعہ کیجیے۔ لیکن راقم سطور اس پر تھوڑا اضافہ کرنا چاہتا ہے کہ شعر ثانی میں یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں کا مرجع برزخ اور سرِّ خدا کو بھی بنایا جا سکتا ہے۔ اب اس تقدیر پر دونوں کی نفی ہو جائے گی اور مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی ذات عالم امکان و وجوب کے درمیان برزخ اور راز سربستہ بھی نہیں بلکہ اس سے بھی ماورا ایک ایسی حقیقت ہے جسے صرف خدا ہی جانتا ہے۔

حقیقت و معرفت کے اتنے دقیق مسئلے کو شعر کی زبان میں بیان کر دینا اعلیٰ حضرت ہی کا حصہ ہے۔

ایک شعر میں فرماتے ہیں:

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصل عالم مادّہ اِیجادِ خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

غور کیجیے! کس قدر ذوق و عرفان سے لبریز اور حقیقت و معرفت سے بھرپور یہ اشعار ہیں۔

ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حق تعالیٰ کے ایسے مظہر اتم اور پرتو جمال ہیں کہ عالم کثرت یعنی عالم امکان کی تمام وسعتوں کو اپنی ذات میں سمیٹے ہوئے ہیں گویا عالم امکان کی نمو آپ ہی کی ذات سے ہوئی ہے اور آپ اس کے لیے وحدت یعنی اصل کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر تمام ممکنات کو سمیٹا جائے تو آپ کی ذات میں مجتمع ہو کر وحدت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور مرتبۂ ایجاد میں صرف آپ ہی کی ذات باقی رہتی ہے باقی سب اسی کے عکس کا فیض وجود۔ دوسرے شعر میں فرماتے ہیں:

مرتبۂ ایجاد میں آپ ہی کی ذات تمام ممکنات کی تخلیق کا اصل سرچشمہ ہے اور آپ ہی کے

نور سے اس عالم خلق کو وجود ملا، پھر جب اس نور واحد کو تقسیم در تقسیم کی منزلوں سے گذارا گیا تو عالم فیکون میں کثرت کا ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور آج تک یہ سلسلہ چلا آرہا ہے۔عرش و کرسی، لوح و قلم، آسمان و زمین، جنت و دوزخ، جن وانس، ملائکہ، وحوش وطیور یہ سب کس کے جلوے ہیں؟ مرتبۂ تکوین میں یہ سب اسی نور احمدی کے جلوے ہیں۔

تصوف عملی

امام احمد رضا قدس سرہ نے صرف اعتقاد ونظریہ کی حد تک تصوف کونہیں برتا بلکہ عملاً اسے زندگی میں شامل کر کے دکھایا بھی، وہ صرف قال کے داعی نہیں تھے بلکہ ان کے یہاں قال کے ساتھ حال بھی یکساں طور پر پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر ہو یا تقریر ہر جگہ عملی تصوف کے مظاہر دیکھنے کو ملتے ہیں، ان کی جلوت ہو یا خلوت، سفر ہو یا حضر، صحت ہو یا مرض ہر حال میں شریعت وطریقت پر مستقیم رہے۔ان کی زندگی میں تصوف عملی کی صدہا مثالیں موجود ہیں لیکن ہم یہاں صرف چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔

تقویٰ: امام احمد رضا قدس سرہ کی پوری زندگی اتباع شریعت مصطفٰی وسنت مصطفٰی سے عبارت ہے۔وہ ورع وتقوی کی بہت اعلٰی منزل پر فائز تھے۔قرآن کریم میں اولیاء اللہ کی شان اس طرح بیان کی گئی ہے۔لاخوف علیہم ولاھم یحزنون الذین اٰمنوا وکانوا یتقون۔

آپ کی ذات اس آیت کریمہ کی مصداق تھی، اعلٰی حضرت کی تمام صفات میں سے ایک عظیم صفت جو ایک عالم ربانی کی شان ہونی چاہیے یہ تھی کہ آپ کا ظاہر باطن ایک تھا۔کوئی شخص کیسا ہی پیارہ ہو یا کیسا ہی معزز ہو، کبھی اس کی رعایت سے کوئی بات خلاف شرع اور اپنی تحقیق کے زبان سے نہیں نکالتے نہ تحریر فرماتے۔

شدید سردی میں بحالت اعتکاف لحاف پر وضو

سید ایوب علی رضوی مرحوم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اعلٰی حضرت بحالت اعتکاف اپنی مسجد میں مقیم تھے شب کا وقت، جاڑے کا زمانہ اور کافی دیر سے مسلسل شدید بارش ہورہی تھی، حضور کو نماز عشا کے لیے وضو کرنے کی فکر ہوئی کہ پانی تو موجود، مگر بارش میں کس جگہ بیٹھ کر وضو کیا جائے؟ بالآخر مسجد کے اندر لحاف، گدے کی چارتہ کر کے اس پر وضو کیا اور ایک قطرہ فرش مسجد پر نہ گرنے

دیا اور پوری رات سردیوں میں کاٹی، مزید اس پر بادو باران کا طوفان، یونہی جاگ کر ٹھٹھر ٹھٹھر کر کاٹ دی۔

غور کریں کہ شریعت ایسی حالت میں عذر کو قبول کرتے ہوئے رخصت دیتی ہے کہ صحن مسجد میں وضو کر سکتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت نے یہاں فتوی پر نہیں بلکہ تقوٰی پر عمل فرمایا۔ (۱)

کوہ بھوالی پر رمضان کے روزے رکھنا:

امام احمد رضا قدس سرہ کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔ اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی دوسرے عمر مبارک کا آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے لیکن امام احمد رضا کا فتوٰی اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتوٰی نہیں تقوٰی تھا۔ انہوں نے فرمایا: بریلی میں شدت گرما کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہاں سے نینی تال قریب ہے بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جا سکتا ہے، میں وہاں جانے پر قادر ہوں لہٰذا میرے اوپر وہاں جا کر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان وہیں گذارے اور پورے روزے رکھے۔ اسی فتوٰی کی بنیاد پر متعدد سال سے اعلیٰ حضرت اخیر شعبان کو بھوالی تشریف لے جاتے تھے اور رمضان کے روزے پورے فرما کر عید کا چاند دیکھتے ہی بریلی تشریف لے آیا کرتے اور نماز عید الفطر بریلی شریف میں اپنی مسجد میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ (۲)

۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے مہینوں سے مرض تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں، شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔ مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے جب تک اس طرح

---

۱) حیات اعلیٰ حضرت، از ملک العلما، ظفر الدین بہاری، ج اول ص: ۱۹۰۔۱۹۱۔ مطبوعہ مرکز اہلسنت پور بندر گجرات، ۲۰۰۳ء

۲) حیات اعلیٰ حضرت، از ملک العلماء، ظفر الدین بہاری، ج اول ص: ۱۹۰۔۱۹۱۔ مطبوعہ مرکز اہلسنت پور بندر گجرات، ۲۰۰۳ء

حاضری کی قدرت تھی جماعت میں شریک ہوتے رہے۔(۱)

اعلیٰ حضرت کا مقام قطبیت

امام احمد رضا قدس سرہ کے مدارج عرفان کو سمجھنا کوئی آسان کام نہیں ہے ؎

آنکھ والا ہوتو جوبن کا تماشا دیکھے دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

چشم بصیرت سے دیکھنے والوں نے تنہا امام احمد رضا کی ذات میں بہت کچھ دیکھا۔ ظاہر بیں نگاہوں نے جب دیکھا تو ان کو فقیہ اعظم، عالم اسلام، محدث اعظم، مفسر اعظم، امام ہیئات وفلکیات وریاضیات کہہ اٹھے۔لیکن جب اہل ذوق وعرفان نے چشم بصیرت سے دیکھا تو پکار اٹھے یہ تو چودہویں صدی کے مجدد ہیں، وقت کے قطب الارشاد ہیں، نائب غوث اعظم ہیں اور عارف باللہ ہی نہیں اپنے زمانے کے صوفیوں کے سردار ہیں۔

مؤرخ اہل سنت، حضرت مولانا مفتی محمود احمد رفاقتی مظفر پوری قدس سرہ (م۲۰۱۸ء) حیات مخدوم الأولیا میں رقم طراز ہیں:

''مولانا شاہ عارف باللہ میرٹھی اشرفی خلیفہ مجاز نے تحریر فرمایا کہ ماہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں پیرومرشد اعلی حضرت اشرفی میاں قدس سرہ نے والد ماجد مولانا شاہ حبیب اللہ صاحب سے فرمایا کہ مولانا! آپ کے پیرومرشد مولانا احمد رضا خاں صاحب کا آخری زمانہ آگیا خوب خدمت کرلیجیے۔فاضل بریلوی نے وصال فرمایا تو حضور پرنور دولت کدہ پر رونق افروز تھے، وضو فرماتے ہوئے رونے لگے، کسی کے سمجھ میں نہیں آیا، استفسار فرمایا: بیٹا! میں فرشتوں کے کاندھے پر قطب الارشاد کا جنازہ دیکھ کر رو پڑا ہوں۔(۲)

دنیا جانتی ہے کہ حضور اعلی حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ دنیاے ولایت میں کس بلند مقام پر ہیں ان کی زبان سے ایسے الفاظ کا ادا ہونا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔آپ نے ان کی قطبیت وولایت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔

---

۱) مرجع سابق۔

۲) حیات مخدوم الأولیاء، مفتی محمد احمد رفاقتی مظفر پوری، ص ۱۴۴۔۱۴۵، ناشر: حضرت امین شریعت ٹرسٹ، اسلام آباد ۲۰۰۱ء۔

اعلیٰ حضرت کے تصرفات وکرامات:

ہر صوفیٔ کامل درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور ہر ولی صوفیٔ کامل ضرور ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ولایت کے لیے کرامت لازم ہے۔مگر کرامت بھی دوطرح کی ہیں ایک کرامت حسی، جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہہ ہوسکتا ہے جیسے ہوامیں اڑنا، پانی پر چلنا، گذشتہ وآئندہ حالات کی خبر دینا، سینکڑوں منزل کوایک قدم میں طے کرلیناوغیرہ۔اور کرامت معنوی جس میں کسی استدراج یا شعبدہ کا کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا۔تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہے سے پاک ہو۔ اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کرامۃ الولي استقامۃ فعلہ علی قانون قول النبي صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی ﷺ کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے۔ (۱)

کرامت معنوی وہ ہوتی ہے جسے صرف خواص پہچانتے ہیں۔

کرامت معنوی کے بارے میں شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتوں سے بچنے کی توفیق پائے۔تمام واجبات ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے''۔

ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں۔ اور وہ کرامتیں جنھیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرنہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے۔کرامات معنویہ میں مکرواستدراج کی مداخلت نہیں۔ (فتوحات مکیہ، ج ۲،ص ۳۸۷) (۲)

درج بالا تصریحات ائمہ کی روشنی میں جب امام احمد رضا کی عرفانی وروحانی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو روز روشن کی طرح یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی ہی کرامت ہے۔کرامات معنویہ کا ظہور تو آپ کے عمل اور نوک قلم سے ہمیشہ ہی ہوتا رہا مگر کرامات حسیہ کے جلوے بھی اتنے زیادہ ہیں کہ اس کے بیان کو کوئی دفتر درکار ہیں۔ جامع حالات رضویہ حضرت ملک العلماء

---

۱) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما، ص ۱۶، از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ بحوالہ بھجۃ الاسرار، ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی الشطنوفی ص ۳۹، مطبوعہ مصر۔

۲) امام احمد رضا اور تصوف، علامہ محمد احمد مصباحی، ص ۷، المجمع الاسلامی، مبارک پور، ۲۰۰۴ء۔

قدس سرہ نے اس طرح کی صدہا مثالیں حیات اعلیٰ حضرت میں درج کی ہیں ہم مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند تصرفات روحانی اور کشف وکرامات کی ایک جھلک ذیل کی سطور میں تحریر کررہے ہیں جس سے ان کے مقام ولایت وعرفان کو سمجھنا ظاہر بینوں کے لیے بھی آسان ہو جائے گا۔

ڈوبتی کشتی کوایک آن میں بھنور سے باہر نکالنا

حضرت ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری قدس سرہ حیات اعلیٰ حضرت میں رقمطراز ہیں:

مولوی ابوعلی محمد تقی احمد صاحب مالاباری قادری نقشبندی امام مسجد کلیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں دھوراجی میں حاجی عبدالغنی صاحب کے یہاں مقیم تھا کہ استاذی مولانا امجد علی صاحب وہاں تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کے حالات کے ضمن میں بیان فرمایا کہ ہم اعلیٰ حضرت سے درس حدیث لے رہے تھے کہ خلاف عادت حضرت وہاں سے اٹھے اور پندرہ منٹ بعد قدرے متفکر پریشان واپس تشریف لائے اور دونوں ہاتھ آپ کے مع آستین کے تر تھے تو مجھے پکارا، میں مسجد کے باہر آیا تو حکم فرمایا دوسرا خشک کرتا لے آیئے۔ میں نے حاضر کیا، حضور نے پہنا، اور ہم لوگوں کو درس حدیث دینے لگے۔ لیکن میرے دل میں یہ عجیب بات کھٹکی تو میں نے وہ دن، تاریخ اور وقت لکھ لیا، چنانچہ گیارہ دن بعد ایک جماعت تحفہ تحائف لے کر حاضر ہوئی، جب وہ لوگ چند دن رہ کر واپس جانے لگے، تو میں نے ان سے حال پوچھا کہ کہاں مکان ہے اور کہاں سے تشریف لائے اور کیسے آنا ہوا؟ تو ان لوگوں نے بیان کیا کہ ہم فلاں تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے، ہوا تیز چلنے لگی، موجیں زیادہ ہونے لگیں، یہاں تک کہ کشتی کے الٹ جانے اور ہم لوگوں کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوا، تو ہم نے اعلیٰ حضرت سے توسل اور نذر مانی تو دیکھتے ہیں کہ ایک شخص کشتی کے نزدیک آیا اور کنارا اس کا پکڑ کر گھاٹ کے کنارے پہنچا دیا تو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کے توسل کی برکت سے ہم لوگوں کو بچا لیا تو وہی نذر پوری کرنے اور اعلیٰ حضرت کی زیارت کرنے

آئے ہیں۔ (۱)

اس واقعہ سے کئی باتیں سامنے آئیں، اعلیٰ حضرت صاحب ولایت بھی ہیں اور صاحب تصرف بھی، یہاں خیال رہے کہ ہر ولی کا تصرف اتنا قوی نہیں ہوتا کہ وہ جسم مثالی کے ساتھ غائب ہوکر دستگیری کر سکے۔ یہ اکابر اولیا کی شان ہے۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آئی کہ اعلیٰ حضرت قطبیت کے اونچے مقام پر فائز تھے اور پوری دنیا کو طشت کی طرح ملاحظہ کرتے تھے۔ آپ کو کشف احوال کے لیے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ آپ درجۂ مشاہدہ پر فائز تھے، آنکھیں کھول کر تمام احوال کو ملاحظہ کر لیتے تھے۔ کیوں کہ بقول صدر الشریعہ یہ وہ وقت ہے جس میں آپ درس حدیث میں مشغول تھے، کہیں مراقبے میں مشغول نہیں تھے۔ آپ کی روحانی لطافت نے دور دراز ہونے والے اس حادثہ کو محسوس کر لیا۔ یہ صراحت کتابوں میں کہیں نظر سے نہیں گذری کہ آپ قطب العالم تھے تاہم واقعات وحالات اسی کی جانب مُشعِر ہیں۔

---

۱) حیات اعلی حضرت، از ملک العلما، ظفر الدین بہاری، ج اول ص: ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ مطبوعہ مرکز اہلسنت پور بندر گجرات، ۲۰۰۳ء

دو عظیم المرتبت داعیانِ اسلام، علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی وعلامہ ارشد القادری

بیسویں صدی عیسوی میں عالمی سطح پر اسلام کی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتذکیر کا سہرا متحدہ ہندوستان کی جس آفاقی شخصیت کے سر سجتا اور زیب دیتا ہے اور جس نے تعارف ودعوت اسلام کے وسیع میدان میں تاریخ عالم پر غیر معمولی اثرات ڈالے ہیں ان میں پہلا مقام مبلغِ اسلام، علامہ شاہ عبدالعلیم قادری، صدیقی، میرٹھی مہاجرِ مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان (۱۸۹۲/ ۱۹۵۴ء) خلیفۂ فقیہِ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ ((۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) کا ہے۔ مبلغ اسلام کی غیر معمولی خدمات اور ہمہ گیر اثرات کا دائرہ بیسویں صدی کے نصفِ اول پر پھیلا ہوا ہے۔ آپ نے بین الاقوامی سطح پر معلوم دنیا کے بیشتر خطوں میں اسلام کو ایک زندہ اور ہر دور کے لیے قابل عمل مذہب کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اسلام کے تعلق سے غیر مسلم ذہنوں میں پیدا ہونے والے بے جا اعتراضات کا سائنٹفک اسلوب میں جواب دے کر ان کے شبہات کو دور کیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی آپ کا وہ مکالمہ ہے جو کینیا (جنوبی افریقہ) کے شہر ممباسہ میں مغربی دنیا کے مشہور فلسفی اور ڈرامہ نویس ''جارج برناڈ شا'' کے ساتھ پیش آیا، اس مکالمہ کی تفصیل خلیل احمد رانا (پاکستان) کی کتاب ''مبلغ اسلام علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مقالہ کو انفارمیشن سینٹر آف دی انٹرنیشنل اسلامک مشنریز گلڈز نے انگریزی زبان میں ''A shavian and A Theologian'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ (۱)

اجمال یہ ہے کہ برناڈ شا نے اسلامی نظام کے مختلف پہلوؤں پر چونکا دینے والے اعتراضات کیے، جن میں اسلام کا اقتصادی نظام، معاشرتی نظام، سیاسی وروحانی نظام، تعزیراتی اور جنگی نظام خاص اور طور سے قابل ذکر ہیں۔ جب مبلغ اسلام نے اپنی گفتگو سے برناڈ شا کو پورے طور پر مطمئن کر دیا تو بے ساختہ اس نے کہا:

''عبدالعلیم! اگر اسلام یہی ہے جس کی ترجمانی آپ نے کی ہے تو میں پیش گوئی کرتا

ہوں کہ مستقبل میں دنیا کا مذہب اسلام ہوگا‘‘(۲)

غالباً مبلغ اسلام سے ملنے کے بعد ہی اس عظیم مفکر نے یہ تاریخی جملے کہے تھے۔

اگر کوئی مذہب ہے جو اگلے سو سال میں انگلستان پر حکومت کرے، نہیں! بلکہ سارے یورپ پر تو وہ صرف اسلام ہوگا۔ میں نے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے مذہب کو ہمیشہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے کیونکہ اس کے اندر حیرت انگیز طاقت ہے۔ یہ واحد مذہب ہے جس کے متعلق میرا خیال ہے کہ اس کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ بدلتی ہوئی دنیا کو اپنے اندر جذب کر سکے جس کے اندر ہر دور کے اپیل ہیں۔

If any religion has the chance of ruling over England,nay Europe, within the next hundred years, if can only be Islam.I have always held the religion of Muhammad in high estimation because of its wonderfuvitality if is the only religion which appears to possess the assimulating to the changing face of existance, which can make its apeal to evetry age. (۳)

بہت سی ایسی مسلم آبادیوں سے آپ کا گذر ہوا جہاں لوگ کسی عالم دین کی صورت دیکھنے کو ترستے تھے۔ آپ نے انہیں اسلام کے چشمۂ صافی سے سیراب کیا، مسجدیں بنوائیں اور مدرسے قائم کیے پھر آگے بڑھے۔

ممبئی کے ساحل سے آبی جہاز کے ذریعہ آپ کا سفر شروع ہوتا، چلتے چلتے کسی جزیرہ میں اُتر جاتے، وہاں کی غیر مسلم آبادی کو جمع کرتے، اسلام کی حقانیت پر پُرزور تقریر ہوتی، لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتے۔ کسی کسی جزیرہ میں تو دو دو مہینوں سے زیادہ قیام کرنا پڑتا۔ جب لوگ مسلمان ہو جاتے تو ان کی مذہبی تعلیم کے لیے مدرسہ اور عبادت کے لیے مسجد قائم کر دیتے، کسی کو اپنا نائب بنا دیتے اور آپ کا سفر آگے کی طرف بڑھ جاتا۔

بادباں حیران رہتا کہ یہ کیسا آدمی ہے! جب کسی جزیرہ میں جاتا ہے تو تنہا ہوتا ہے اور واپس ہوتا ہے تو سیکڑوں لوگوں کی بھیڑ الوداع کہنے کے لیے اس کے پیچھے ہوتی ہے۔

مستند سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ کی دعوتی کوششوں کے نتیجہ میں (۷۰) ہزار سے

زائد غیر مسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے ۔جس میں اپنے وقت کا فلسفی بھی ہے اور مؤرخ بھی ، سائنسداں بھی ہے اور سیاست داں بھی ، وزرا بھی ہیں اور قانون داں بھی ، اور عام انسان بھی ۔

کیا سبب تھا کہ اس قدر کثرت کے ساتھ لوگ آپ کے ہاتھوں پر اسلام میں داخل ہوئے ، اگر ہم صحیح معنوں میں اس راز کو دریافت کر لیتے ہیں تو عصر حاضر میں دعوت وتبلیغ کے بے شمار نئے امکانات اور مختلف طریقہ ہائے کار سے واقف ہوسکیں گے۔

دعوت کی راہ میں اگر ایک طرف مبلغ اسلام کی ہمہ جہت ، غیر معمولی مقناطیسی شخصیت لوگوں کے دلوں کو مسخر کر رہی تھی تو دوسری طرف مختلف ومتنوع زبان وبیان پر آپ کی حیرت انگیز مہارت ، سائنٹفک طرز استدلال ، مدعو کی نفسیات سے گہری واقفیت ، خدا کے غافل بندوں تک اس کے دین کو پہنچانے کا پرخلوص جذبہ اور اپنے مشن سے جنون کی حد تک عشق ۔ یہ وہ عناصر تھے جنھوں نے پرخار وادیوں کو آپ کے لیے لالہ زار بنا دیا ، جس آبادی اور جس راہ سے گذرے آپ کی روحانی خوشبو سے وہ معطر ہوتی چلی گئی ۔ اسلام کی صدائے دل نواز سے صحرا و بیاباں گونج اٹھے اور بحر اٹلانٹک کو پار کرتے ہوئے امریکہ کے جزیروں میں اسلام کی روشنی پھیلا دی ۔ آپ نے کسی مخصوص خطہ کو اپنے دعوتی عمل کی آماجگاہ نہیں قرار دیا ، کسی ایک قوم کو اپنا مدعو نہیں سمجھا ، بلکہ پوری دنیا آپ کے دعوت عمل کی آماجگاہ تھی ۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں پیاسی روحوں تک اسلام کا چشمۂ صافی پہنچانا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے ۔ آپ کے طائر فکر نے کبھی سیلون و برما میں پرواز کی ، کبھی آپ کے ابر کرم نے چین ، جاپان اور سیام کے جزیروں پر باران رحمت برسایا ، تو کبھی ری یونین ، مڈگاسکر ، ماریشش اور انڈونیشیا کو سیراب کیا ۔ آپ نے کبھی افریقہ کے صحراؤں کی بادیہ پیمائی کی تو کبھی ارض مقدس فلسطین وعراق ، مصر اور حجاز کے ریگزاروں کو چوما ، کبھی اسلام کا ہلالی پرچم روم وانگلستان ، برٹش گیانا ، ڈچ گیانا ، ٹرینڈاڈ ، اور یونائیٹیڈ اسٹیٹس آف امریکہ کی پیشانیوں پر نصب کیا تو کبھی کناڈا ، فلپائن ، ویسٹ انڈیز ، فرانس اور سنگاپور کی فصیلوں پر لہرایا ۔ (۴)

بن کر منادی عشق کا حد جہاں تک تو گیا

اللہ رے ہمت تری عبد العلیم قادری

مولانا بدر القادری مصباحی

کوئی ان صعوبتوں کا اندازہ لگائے ، ہوائی جہاز کی برق رفتاری کا عہد نہیں تھا ، ابھی ٹکنالوجی نے اتنی ترقی نہیں کی تھی ، بادبانی کشتیوں کا دور تھا۔بعض ملکوں کا سفر کرنے میں ہفتوں اور مہینوں لگ جاتے ،لیکن حیرت ہے اس مردحق آگاہ قلندر صفت پر کہ نقل وحمل اور مواصلات کے اتنے محدود وسائل وذرائع کے باوجود لاکھوں میل زمین کا سفر کیسے طے کیا؟

کوئی ان حوادث کا اندازہ کرے جوان کے عہد میں واقع ہوئے۔مشرق سے مغرب اور شمال سے لے کر جنوب تک پوری دنیا جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء)اور جنگ عظیم ثانی (۱۹۳۹۔۱۹۴۰ء) کے ذریعہ سلگائے ہوئے الاؤ میں جھلس رہی تھی ۔ ادھر ہندو پاک کی تقسیم (۱۹۴۷) نے ایک ہنگامۂ محشر بپا کرر کھا تھا۔ٹھیک اسی زمانے میں اسلام کا سفیر،ملت کا نگہبان، دین کا داعی ان شورش زدہ خطوں میں انسانیت کے ابدی پیغام،امن کے حقیقی مفہوم اور خدائے ذوالجلال کی صحیح پرستش کے طریقوں سے دنیا کو روشناس کرار ہا تھا۔ دنیا کی لاکھوں بے چین روحوں کوصحیح فلسفۂ زندگی ،عدل ومساوات کے حقیقی تصور سے باخبر کرر ہا تھا، ہزاروں مارکسیوں اور کمیونسٹوں کواسلامی نظریۂ ملکیت اور معتدل تصور مساوات کی برتری تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا اور یہ ثابت کردیا کہ ان تمام نو پید مسائل کا حل صرف اسلام میں موجود ہے۔

آپ کی دعوت کی اثر انگیزی اور غیر معمولی نتیجہ خیزی میں جن عناصر کا دخل رہا ہے ان میں سب سے بڑا عنصر میری نگاہ میں مدعوقوم کی زبان کا استعمال ہے آپ کی دعوت کی خصوصیت یہ تھی کہ جس ملک ،جس خطہ میں پہونچتے ۔ دعوت کا کام وہاں کی زبان میں انجام دیتے ،عربی ، فارسی اردو کے علاوہ انگریزی ،فرانسیسی ، چینی ، جرمنی ، پرتگالی اور مختلف سواحلی زبانوں پر آپ کوعبور حاصل تھا۔جب دل کی بات مدعو کی زبان میں دل تک پہنچتی ہے تب اثر پیدا ہوتا ہے۔

بیسویں صدی کے اندر عالمی سطح پر دعوتی خدمات کے حوالے سے کوئی بھی شخصیت ان کا ہم پلّہ نظر نہیں آتی ۔ بلاشبہ وہ اسلام کے ایسے شارح وترجمان تھے جنہوں نے قرن اول کے داعیان اسلام کی یادتازہ کردی۔اگر آپ کی تمام دعوتی خدمات کا احاطہ کیا جائے تو یقینا کئی ضخیم جلدیں تیار ہوجائیں ۔اور ایسا ممکن ہی نہیں ہے کیوں کہ بہت سارے واقعات وہ ہیں جن کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہ ہوا مزید یہ کہ آپ کی زندگی کے بہت سے گوشے لوگوں کے سینوں میں دفن ہوکر رہ گئے۔

تاہم اپنی نئی نسل کو آپ کی دعوتی خدمات سے واقف کرانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں، تاکہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ محفوظ سرمایہ بھی ضائع نہ ہو جائے۔ ذیل میں آپ کی تابناک اور قابلِ تقلید داعیانہ زندگی کے چند نقوش جن کو پھیلائیں تو چالیس سال پر پھیل جائیں۔ اور سمیٹ دیں تو چند صفحات میں سما جائیں۔ ملاحظہ کریں۔

مبلغ اسلام کی داعیانہ وقائدانہ زندگی کا آغاز عہد طالب علمی سے ہی ہو چکا تھا، بی اے کا پہلا سال تھا، ۱۹۱۴ء میں پہلی بار آپ نے برما اور رنگون کا سفر کیا، برما کے مشہور شہروں میں تقریریں کیں۔ اور وہاں رہنے والے مسلم طلبہ کی ایک جماعت ''برما مسلم ایجوکیشنل کانفرنس''، تشکیل دی۔

۱۹۱۵ء میں مذکورہ کانفرنس کی خصوصی دعوت پر برما کا سفر کیا اور جلسے کی صدارت کی، اس کانفرنس میں پیش کیا گیا تاریخی خطبۂ صدارت آپ کی دعوتی سرگرمیوں کے لیے سنگ میل ثابت ہوا۔

۱۹۱۹ء میں مکہ مکرمہ جا کر پہلا حج کیا اور حرم شریف میں ایک سال تک درس قرآن، درس حدیث اور تفسیر دیتے رہے۔ وہاں کے علما و مشائخ کے ساتھ افادہ و استفادہ کرتے رہے۔

اسی سفر میں یتیموں کی دیکھ بھال کے لیے مدینۂ منورہ میں ''دارالایتام'' قائم فرمایا۔ کولمبو میں میمن مسجد کی بنیاد رکھی۔ یہ مسجد پورے ملک میں سب سے خوبصورت مسجد ہے۔

۱۹۲۱ء میں تبلیغ اسلام کے لئے انڈونیشیا کا سفر کیا (۵)۔ ۱۹۲۳ء میں سیلون (سری لنکا) تشریف لے گئے اور مختلف شہروں میں تقریریں کیں اس دورہ میں کولمبو یونیورسیٹی میں ایک بڑے جلسہ سے خطاب کیا۔ مشہور پادری سر ریورنڈ کنگ بیری نے اسے کانفرنس میں آپ کی تقریر سے متأثر ہو کر اسلام قبول کیا۔ (۷)

۱۹۲۵ء میں دوسرا حج کیا۔

۱۹۲۷ء میں ہندوستان کے ایک مشہور بنگالی شاعر و مفکر کے مسلسل لکچرز نے انڈونیشیا کو الحاد کی طرف لانے کی مہم چھیڑ رکھی تھی۔ مبلغ اسلام نے انڈونیشیا کی سب سے بڑی تنظیم الجمعیۃ المحمدیہ کے پلیٹ فارم سے عیسائی مشنریوں، قادیانی حملوں اور الحادی فتنوں کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ (۸)

۲۹۔ ۱۹۸۲ء میں ماریشش کی سرزمین پر قادیانی حملوں کا خاتمہ کیا اور حزبُ اللہ کی بنیاد

ڈالی ۔ اس دورہ میں بہت سے ہندواور عیسائی مسلمان ہوئے جس میں عیسی گونر ''مروات''خصوصی طور سے قابل ذکر ہیں ۔انہیں کے توسط سے مراکش کے مشہورلیڈر غازی عبدالکریم سے جیل خانہ میں ملاقات کی اور یہاں سے نوزی لینڈ اورآسٹریلیا کا دورہ کیا۔آسٹریلیا میں مشہور فاضل ڈاکٹرمحمد عالم،کومبلغ بنایا۔(۹)

ملایا میں اسلام پر قادیانی حملوں کے اثر کوختم کیا۔عربی ،اردواورانگریزی زبانوں میں تقریریں کیں ، بہت سے یورپین لوگوں نے اسلام قبول کیا، بنکاک کی لائبریری میں بدھ مت کے متعلق ریسرچ کیا۔(۱۰)

۳۲۔ ۱۹۳۱ء میں سیلوٗن کے اندر گرین پمفلٹ تحریک شروع کی اورآل مسلم مشنری سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔

۷/اپریل ۱۹۳۲ء کوسنگاپور تشرف لائے۔معززین شہر نے اپنے مہمان کا پھولوں کے ہار کے ساتھ پرجوش استقبال کیا۔

اسی سفر میں مسٹرسچند رانا تھ دت ایم۔اے،ایل،ایل،بی بیریسٹرایٹ لا، جوسنگاپور کے ممتاز بیرسٹروں میں سے تھے،مبلغ اسلام سے ملے،تقریریں سنیں، چند ملاقاتوں میں ایسے مسحور ہوئے کہ ۳/مئی ۱۹۳۱ء یک شنبہ کی سہ پہرکو مدرسہ الجنید کے وسیع میدان میں ہزاروں مسلمین وغیرمسلمین کے سامنے بطیبِ خاطر مسلمان ہوئے اوراسلامی نام سراج النوردت رکھا گیا۔

اسی تاریخ میں شب ۹ بجے ایک فاضل انگریز''لیم ہیرلڈسڈنس'' آپ کے ہاتھوں پر مسلمان ہواجس کا نام ولی الحق سڈنس رکھا گیا۔(۱۱)

۲۵/ستمبر ۱۹۳۱ء کوآپ ماریشش کی بندرگاہ پر پہونچے، جزیرہ کے لوگوں نے پرتپاک انداز میں آپ کا خیرمقدم کیا۔ جامع مسجد پورٹ لوئس میں دوتقریریں ہوئیں ۔تقریر کے بعد ایک ملحد شخص جامع مسجد کے بھرے جلسہ میں مشرف باسلام ہوگیا۔

۲۸/اپریل ۱۹۳۲ء کوجزیرۂ ماریشش کے ایک جلسہ میں ''اسلامی شادی اورطبقۂ نسواں پر اسلام کا احسان'' کے عنوان پر فصیح وبلیغ انگریزی میں ایک گھنٹہ تقریر فرمائی۔تقریر ختم ہوتے ہی ایک فرنچ نوجوان مسٹر رینا لڈآگے بڑھا اور بڑے ادب سے کہا: مجھے بھی اس مقدس دین

میں داخل کرلیا جائے۔آپ نے اس کا اسلامی نام محمد علی رکھا۔(۱۲)

۳۵۔ ۱۹۳۴ء میں مبلغ اسلام کے عظیم شاگرد جے ماجد نے سیلون سے ماہنامہ اسٹار آف اسلام (Star of Islam) جاری کیا۔مبلغ اسلام نے ڈربن (جنوبی افریقہ) میں انٹرنیشنل اسلامک سروس سنٹر قائم کیا جہاں سے مشہور ماہنامہ The Five Pillars اور The Muslim Digest جیسے مجلّات پابندی سے شائع ہوتے ہیں۔(۱۳) اسی سال آپ نے زنجبار، موزنبیق ، اور کینیا کا دورہ فرمایا اور وہاں کے مسلمانوں کو یورپین طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار کیا۔

۱۷/اپریل ۱۹۳۵ء کی تاریخ آپ کی زندگی کا ایک یادگار دن ہے ۔ جب ممباسہ (افریقہ) میں مشہور ڈرامہ نویس، جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ برناڈ شا نے اسلام کے مختلف مسائل پر گفتگو کی ۔آپ نے سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں برناڈ شا کے سوالات کے ایسے جوبات دیے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر،مغرب کا عالی دماغ مفکر آپ کے سامنے گونگا ہو گیا۔اور آخرش اس کو اسلام کی عظمتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔(۱۴)

۱۹۳۶ء کو سنگاپور میں قیام کے دوران مشہور انگریزی رسالہ The Genuin Islam دی جینوئن اسلام جاری کیا۔اوراس کی ادارات اپنے لائق شاگرد ڈاکٹر ایچ،ایس منشی کے ہاتھ میں دی۔

چین میں احیاے اسلام کے لیے کام کیا۔ہانگ کانگ میں ایک یتیم خانے کا سنگ بنیاد رکھا۔جاپان کے مشہور شہر کعب کی جامع مسجد کمیٹی نے آپ کو دعوت دی۔جاپان کے مشہور شہر ٹکیو میں ''دی کلٹیویشن آف سائنس بائی دی مسلمس'' سائنسی ایجادات میں مسلمانں کا حصہ،اس موضوع پر آپ کی حیرت انگیز چونکا دینے والی تقریر ہوئی جس میں تاریخی حقائق کی روشنی میں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کو اس انداز میں ثابت فرمایا کہ جاپان کا سنجیدہ ذہن طبقہ اسلام کی خوبیوں کا معترف ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔(۱۵)

۱۹۴۵ء میں ہندستان کے بعض حصوں میں زبردست فسادات ہوئے۔آپ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم وستم کے خلاف صداے احتجاج بلند کیا۔ممبئی اور مدراس میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی(۱۶)

اسی سال دنیا بھر سے آنے والے مسلم قائدین سے حجاز مقدس کے احوال کو بہتر بنانے کے آپ تبادلۂ خیال کیا۔ حج ٹیکس کے خاتمہ کے لیے شاہ ابن سعود سے ملاقات کے لیے بھیجے گئے ایک ہندوستانی وفد کی قیادت کی۔ مسلمانوں کے درپیش مسائل کے حل کے لیے علماے عرب خاص طور سے علماے ازہر کو ابھارا اور مصر میں ایک تبلیغی سوسائٹی قائم کی جس کا نام تعریف بالاسلام رکھا۔(۱۷)

۱۹۴۸ء میں شاہ اردن عبداللہ بن سلیمان اور دوسری مشہور شخصیات کے ساتھ حجاز مقدس میں عوامی مالیات اوران کی تنظیم کے مسائل پر گفت وشنید کی۔(۱۸)

ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیے جانے والے وحشیانہ سلوک پر وزیر اعظم پنڈت جوہر لال نہرو سے ۱۹۴۹ء میں ملاقات کی۔ سنگاپور میں عید میلاد النبی کانفرنس کی صدارت کی اور لادینی افکار ونظریات بالخصوص کمیونزم کے خلاف مسلمان، ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی مذہبی رہنماؤں کا ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا جس کا نام ''تنظیم بین المذاہب'' (I nter Religions Organisation) رکھا۔(۱۹) اس تنظیم کا مقصد خدا کے وجود پر یقین رکھنے والے مذاہب کے باہمی رابطہ کے ذریعہ لامذہبیت کا قلع قمع کرنا تھا۔

علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی نے مرزائیت کے رد میں اہم کارنامہ انجام دیا۔ علامہ شاہ احمد نورانی (۱۹۲۵۔ ۲۰۰۴ء) فرزند مبلغ اسلام، جنہوں نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد عالمی سطح پر دعوت اسلام اور مسلمانوں کی مذہبی قیادت کا قابل فخر کارنامہ انجام دیا، ان سے لیے گئے ایک انٹرویو کا اقتباس ملاحظہ کریں:

میرے والد نے ابتدا سے آخر تک افریقہ، ملائیشیا، سیلون، یورپ اور امریکہ کی سرزمین پر بیشتر لوگوں کو اس فتنہ سے آگاہ کیا۔ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی انگریزی زبان میں تصنیف (The Mirror) کے نام سے موجود ہے، جو مکی پبلی کیشنز (ڈربن، جنوبی افریقہ) نے شائع کی ہے۔ اور اردو زبان میں ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' اور عربی زبان میں مصر میں چھپی ہوئی ''المرأۃ القادیانیہ'' ہیں۔ انڈونیشی زبان میں ''مرزائی حقیقت کا اظہار'' کا ترجمہ ہوا اور اس کی اشاعت کے بعد ملائیشیا میں زبردست تحریک اٹھی۔ یہاں تک کہ ملائیشیا میں مرزائیوں کا داخلہ تک ممنوع ہو گیا

تھا۔(۲۰)

۱۹۵۰ء میں امریکہ کے اس دلچسپ سفر کی کہانی جناب خلیل احمد رانا کی زبانی ملاحظہ کریں۔ لکھتے ہیں:

''مولانا عبدالعلیم صدیقی علیہ الرحمہ تبلیغ اسلام کے لیے امریکہ روانہ ہوئے، جہاں آپ کی آمد کا شدت سے انتظار تھا۔ مشرقی یونائیٹڈ اسٹیٹس کے مفتی اعظم، حضرت عبدالرحمن لسٹر آپ کے شاگرد ہوئے۔ شکاگو کے دوران قیام آٹھ امریکی مسلمان ہوئے۔ ایک دن شہر نیویارک کے سٹی ہال میں عالمانہ تقریر کی، جلسہ برخواست ہوتے ہی بانوے (۹۲) امریکیوں نے اسلام قبول کیا۔ جن میں مشہور سائنس داں مسٹر جارج اینٹونوف اور ان کی بیگم شامل ہیں۔ واشنگٹن میں مختلف علمی اداروں میں لکچرز دینے کے بعد چھتیس (۳۶) امریکن دانشور و پروفیسرز اپنے اہل وعیال کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ واشنگٹن میں ہی (The solution of man's problems) ''انسانی مسائل کا حل'' کے عنوان سے لاجواب تقریر کی۔(۲۱)

میچی گن یونیورسٹی کا ہونہار ماہر تعلیم، مسٹر عبدالباسط آپ کا شاگرد ہوا اور مولانا کی زیر سرپرستی امریکہ سے ایک بلند پایہ میگزین ''اسلامی دنیا اور امریکہ (The Islamic World and U.S.A.)'' جاری کیا گیا۔ کینیڈا میں گیارہ علمی اداروں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لکچر دیے۔(۲۲) ٹرینڈاڈ کی وزیر موریل فاطمہ ڈوناوا نے آپ ہی کی تبلیغ سے متأثر ہو کر اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے علاوہ ریاست سرواک (Sarawak) کی شہزادی گلڈیز یا مرخیر النساء، محمد یوسف مشل اور نہ جانے کتنی ممتاز شخصیات نے اس سفر میں اسلام قبول کیا۔(۲۳) اسی سفر میں مبلغ اسلام نے اسلام کی اشاعت کے لیے ٹرینڈاد میں چھ ماہ تک قیام کیا۔ اس کے بعد برٹش گیانا، ڈچ گیانا، انگلستان، فرانس، روم، حجاز، مصر ماریشش، ری یونین، مڈغاسکر، مشرقی افریقہ، سیلوں، ملایا، سیام اور انڈونیشیا وغیرہ کا دورہ مکمل کر کے ڈھائی سال بعد ۲۱ رمئی ۱۹۵۱ء کو کراچی تشریف لائے۔ یہ دورہ کراچی ہی سے اکتوبر ۱۹۴۸ء کو شروع ہوا تھا۔(۲۴)

آپ کی خدمت دعوت وتبلیغ اور جنون شوق کی داستان یہیں آ کر ختم نہ ہوگئی بلکہ آخری دم تک اسلام کا سفیر بن کر دشت و کہسار میں آپ آبلہ پائی اور صحرانوردی کرتے رہے۔ خدا کے

غافل بندوں کولاہوتی نغمہ سناتے رہے۔جنت سے قریب اور جہنم سے دور کرتے رہے۔

۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء میں تبلیغی دورہ کے بعد حج وزیارت کے لیے عازم سفر ہوئے، مناسک حج کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور دیارحبیب میں وصال کی آرزو لے کر وہیں مقیم ہوگئے۔عشق ووارفتگی کے عالم میں بار بار یہ شعر پڑھتے۔

علیمؔ خستہ جاں تنگ آگیا ہے درد ہجراں سے

الٰہی! کب وہ دن آئے کہ مہمان محمد ہو

۲۳/ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲/ اگست ۱۹۵۴ء کو مدینۂ منورہ میں آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور جنت البقیع میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قدموں میں مدفون ہوئے، آپ کی نماز جنازہ عاشق رسول، عارف باللہ شیخ محمد ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ومجاز فقیہ اسلام امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے پڑھائی۔(۲۵)

صدیقۂ صدیق کے قدموں میں جنت پا گیا

صدیقیت سچی تیری عبدالعلیم قادری

(مولانا بدرالقادری مصباحی)

مبلغ اسلام کی تصانیف ایک نظر میں:

1- The Elementary Teaching of Islam
2- The princples of Islam
3- Quest For True Happicis
4- How to face communism
5- Islam's Answer to the Challnge of Communism
6- Women and their status in Islam
7- A Shavian and theologian
8- The forgotten path of Knowledge
9- The codification of Islamic low
10- How to preach Islam
11- The message of peace
12- The mirror
13- The clarion call

14- Miracle in light of science and religion
15- The first teachings of Islam
16- Cultivation of science by the muslims
17– The universal teaching
18– Spiritual culture in Islam
19– Religion and scientific progress

۱۔ المرآۃ القادیانیۃ (عربی)
۲۔حققۃ المرزائین
۳۔ضرائب الحج
۴۔ذکرحبیب (اردو)
۵۔کتاب التصوف
۶۔بہارشباب
۷۔احکام رمضان
۸۔مرزائی حقیقت کا اظہار

داعیِ اسلام علامہ ارشد القادری قدس سرہ

برصغیر ہند کی دوسری عالمی شخصیت جو بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں شمالی ہند کے افق سے مطلع اہلِ سنت پر طلوع ہوئی، وہ خلیفہ قطب مینہ (۲۶) رئیس القلم، قائد اہلسنت علامہ ارشد القادری مصباحیؔ (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۲ء) کی ذات ہے جن کی دعوتی تحریکی تنظیمی اور قلمی خدامات کا دائرہ نہایت وسیع ہے۔اگر مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی کی خدمات کا دائرہ بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول کو محیط ہے تو قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری کی عملی جدوجہد کا دائرہ بیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کا احاطے کیے ہوئے ہے۔دونوں کی خدمات کی نوعیت گو جداگانہ ہے لیکن زاویہ قائمہ کے دونوں اضلاع کو جو چیز باہم مثلث کرتی ہے وہ ان دونوں شخصیات کا داعیانہ وقائدانہ کردار ہے۔

قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری نے ہندوستان کی شہرۂ آفاق درسگاہ دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور (ضلع اعظم گرھ، یوپی) کے چمنستان علم سے خوشہ چینی کی تھی، ان

کی ساخت، کانٹ چھانٹ اور صیقل گری حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان (وصال ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) اور اساتذۂ اشرفیہ مبارکپور کے ہاتھوں ہوئی تھی۔سرکار حافظ ملت (۲۷) نور اللہ مرقدہ نے انہیں سوجتن سے تیار کیا تھا۔

۱۔حضرت علامہ ارشد القدری نے بھی اپنی دعوت وعمل کی جولان گاہ کسی ایک شہر، ایک ملک اور ایک براعظم کو نہیں بنایا۔ بلکہ ایشیا و یورپ کا ایک وسیع خطہ آپ کا بھی دائرۂ فکر وعمل تھا ہر اس مقام پر اہل سنت و جماعت کا آپ کوئی قلعہ تعمیر کرنا چاہتے تھے جہاں کفر اور بدعقیدگی کے سایہ نے اپنا ڈیرہ ڈال رکھا ہو، پر اس دشوار گذار مقام پر پہونچنا آپ اپنا فرض سمجھتے تھے جہاں قوی الاعصاب مردوں کی ہمتیں جواب دے جائیں۔

آپ کی شام وسحر اسلام کے روشن چہرہ پہ غیرں کی طرف سے ڈالے گئے غبار کو صاف کرنے میں گذرتی زندگی کی ایک ایک سانس جماعت اہل سنت کی زلف برہم سنوارنے میں صرف ہوتی۔آپ نے غیروں کی طرف سے سواد اعظم اہل سنت پر لگائے گئے الزامات کا اپنے خاراشگاف قلم سے ایسا جواب دیا جس کے زلزلہ نے ان کے شبستان وجود کو زیر وزبر کر ڈالا۔ تقدیس الوہیت اور عظمت رسالت کے باب میں جن کے قلم گستاخ ہو چکے تھے ان کے چہروں پر زناٹے دار طمانچہ رسید کیا اور قلم کی نوک سے کفر کو ایسا تڑپا تڑپا کے مارا کہ نوکِ قلم پر خون کے دھبوں کے نشان تلاش کر پانا بھی مشکل ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری بیک وقت مدرس بھی تھے اور مصنف بھی، شاعر بھی تھے اور مناظر بھی، بے نظیر منتظم بھی تھے اور عالی دماغ مبلغ بھی۔ سیاست ہو یا صحافت قیادت ہو یا خطابت آپ ہر میدان کے شہسوار تھے۔انہیں اوصاف نے قائد اہل سنت علامہ ارشد القدری کو اپنے اقران سے ممتاز کر دیا تھا۔

۲۔آپ کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ آپ نے سہل اور نرم زمینوں میں کبھی قدم نہیں رکھا، بلکہ ہمیشہ اپنے لیے سنگلاخ، بنجر اور اعصاب شکن زمینوں کا انتخاب کیا۔اگر آپ چاہتے تو کسی بند کمرے میں اپنے جسم کو قید کر لیتے اور رب کی تسبیح وتقدیس میں پوری عمر گزار دیتے، کوئی خانقاہ بنا کر دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہو کر اس میں مقیم رہتے لیکن آپ کی افتادِ طبع نے اس قدر آسان

زندگی کو پسند نہ کیا۔ امت مسلمہ کی زبوں حالی، جماعت کا داخلی وخارجی انتشار آپ سے دیکھا نہ گیا، فکر وقلم کی توانائی سے لیس ہوکر عزم وحوصلہ کی ناقابل تسخیر قوت لے کر اٹھے، مبارکپور سے چلے ناگپور پہنچے، مسند تدریس بچھائی، وقت نے آواز دی، شہر آہن نے پکارا، لبیک کہتے ہوئے جمشید پور پہونچے۔ بساطِ تدریس آراستہ کی۔ زمینوں کے اثرات انسانی طبیعتوں پر یقینا مرتب ہوا کرتے ہیں۔ لوگ وہاں سیسہ اور لوہا پگھلایا کرتے تھے آپ نے سنگ دلوں کو پگھلانا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ وہ زمین اس قابل ہوئی کہ اس پر علم کی کاشت کی جاسکے۔ ۱۹۵۲ء میں ٹاٹا جیسی مضبوط کمپنی اور اس کی فیکٹری کے شہر میں مدرسہ فیض العلوم کے نام سے ایک دینی فیکٹری کی بنیاد رکھ دی۔ جہاں آہن گری نہیں بلکہ انسان سازی کے اصول سکھائے جانے لگے۔

۳۔ بہار کی راجدھانی پٹنہ جہاں سے اٹھنے والی ہر آواز باشندگان بہار کی تحریک میں مؤثر رول ادا کرتی ہے، اس کے اطراف میں امارت شرعیہ جیسے کئی نامور ادارے غیروں نے قائم کرر کھے تھے جن کے ہمہ گیر اثرات نے رفتہ رفتہ پورے بہار کو اپنی لپیٹ میں لے کیا تھا۔ علامہ کا دل تڑپ اٹھا۔ اضطراب انگیز ماحول میں بڑے پیمانے پر ''بہار صوبائی سنی کانفرنس'' منعقد کی اور ۱۲ر مئی ۱۹۶۷ء کو قلب راجدھانی پٹنہ میں ادارہ شریہ پٹنہ کی بیل ڈال دی۔ آج پوری قوت سے ساتھ بہار کے سنی مسلمانوں کی مذہبی قیادت کا فریضہ انجام دے رہا ہے۔

۴۔ قائد اہل سنت کی زندگی کا یہ باب کتنا درخشاں اور عبرت آموز ہے، کون نہیں جنتا سہارنپور کو! نہ جانے ہمارے مذہبی قائدین کے کتنے قافلے روز وشب یہاں کے اسٹیشن سے ہوگر گزر جاتے ہیں۔ کسی نے ہمت نہ کی کہ ذرا ٹھہر کر اس شہر کے سنی عوام کی حالت زار کا جائزہ لے لیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شہر جو کبھی سنیت کا مرکز تھا، بدعقیدگی کی سپلائی کا مرکز بن گیا۔ وہ شہر جہاں آج پانچ سو سے زائد اہل اللہ آسودۂ خاک ہیں، جن میں اقطاب بھی ہیں، ابدال بھی، نجبا بھی ہیں اور نقبا بھی۔ جہاں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کے چار خلفا آرام فرما ہوں، حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پڑپوتے کی تربت ہو، جس زمین میں داتا گنج بخش علی ہجوری رحمۃ اللہ علیہ کے مصاحب آرام فرما ہوں، جس شہر کا پورا نام ہی سلسلۂ چشتیہ کے عظیم بزرگ شیخ ہارون چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر رکھا گیا ہو، آج وہ شہر وہابی فکر کے حامل افراد اور

اداروں کی راجدھانی بن چکا ہے۔

ہماری بے توجہی اور خود غرضی کے باعث گذشتہ ایک صدی کے اندر خصوصا مغربی یو پی پر وہ یلغار کی گئی کہ یہاں کی خوش عقیدہ آبادیاں بدعقیدگی میں تبدیل ہوگئیں۔ نانوتہ ہو یا گنگوہ ،تھانہ بھون ہو یا دیو بند، امبیٹھہ ہو یا ضلع مظفر نگر کے قصبات و دیہات ان تمام آبادیوں کو عظیم المرتبت اولیائے کرام کا مولد و مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مگر آج ان کے حالات دگرگوں ہیں۔

وہ گنگوہ جسے ہمارے علما کسی اور جہت سے جانتے ہوں گے ذرا اس پہلو سے بھی اس پر غور کر لیتے کہ یہ وہی گنگوہ ہے جہاں چودہ سلاسل کی وراثتوں کے امین، مجدد الف ثانی، شیخ احمد فاروقی سرہندی کے پر دادا پیر، قطب عالم شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد، مرجع خلائق ہے جن کی بارگاہ میں تاجدار سلاطین مغل ''بابر'' بھی میکشوں کی طرح حاضری دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کی درویشی کا عالم یہ ہے کہ چالیس سال تک ایک ہی قمیص کو زیب تن کیا۔

آج بھی ہماری عظمت رفتہ کی امین یہ خانقاہیں، بزرگوں کے مقدس آستانے ہمیں آواز دے رہے ہیں۔ آؤ اپنی اصل کی طرف آؤ، اپنے ماضی سے رشتہ جوڑو۔ لیکن کون ہے جو ان کی پکار سنے؟ کون ہے جو ان کا جواب دے۔؟

کوئی ۲۷ سال پہلے (۱۹۸۴ء) کی بات ہے۔ جب کہ قائد اہل سنت دہلی کی تسخیر کو اپنی زندگی کا آخری عہد و پیمان بنا کر ضامن المسجد (نزد درگاہ حضرت نظام الدین اولیا، نئی دہلی۔ ۱۳) کے چھوٹے سے حجرے میں قیام پذیر تھے۔ ایک ۵۰۔ ۴۵ سال کا لحیم، شحیم، خوبرو اور وجیہ شخص حجرہ میں داخل ہوا، خاندانی مجد و شرافت جس کے انگ انگ سے نمایاں تھی، تابندہ جبیں پر تقدس کی لکیریں دیکھ کر دل نے گواہی دی، ضرور یہ کسی قیمتی کان کا ہیرا ہے۔ نو وارد نے کہا: سہارنپور سے حکیم محمد احمد قادری حاضر ہوئے فوراً اٹھ کر بغل گیر ہوئے، مزاج پرسی فرمائی۔ باتوں باتوں میں سہارنپور کے حالات سے روشناس کر دیا۔ سنیوں کی حالت زار کی خبر دیدی۔ قائد اہل سنت کا دل تڑپ اٹھا، وفور کرب سے پلکیں بھیگ گئیں۔ کچھ ہی دنوں بعد سہارنپور کے لیے عازم سفر ہوگئے۔ سہارنپور پہونچے۔ حکیم صاحب جو بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہیں، جن کا چشتی

شفاخانہ (ضلع سہارنپور) ہندوستان بھر کے مریضوں کے لیے مرکز توجہ ہے، آپ کا شمار ہندوستان کے ان چند نباض طبیبوں میں ہوتا ہے جو مریض سے حال پوچھے بغیر صرف نبض دیکھ کر مریض کے سارے کے سارے احوال سے باخبر ہوجاتے ہیں۔ بہرحال انہوں نے اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے ایک جلسے کا اہتمام کیا، قائد اہل سنت کی ولولہ انگیز تقریر ہوئی۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد قائد اہل سنت نے حکیم صاحب سے فرمایا: یہاں کی فضا بیمار اور ہوا مسموم ہوچکی ہے۔اس کو صحت مند بنانے کے اہل سنت کے ایک مدرسہ کے قیام کی ضرورت ہے۔آپ جگہ کا انتظام کیجیے۔

قائد اہل سنت رقم طراز ہیں:

میرے اصرار پر انہوں نے وسط شہر چمن آباد میں تین بیگھے کا ایک قطعہ آراضی تلاش کیا جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار تھی۔ میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر بیعانہ کر لیجیے۔سہارنپور کے مٹھی بھر سنیوں میں اگر اسے خریدنے کی سکت نہیں ہے تو کیا ہوا، خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔میری گذارش کے مطابق بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد رجسٹری کے لیے ایک سال کی مہلت حاصل کر لی گی۔ مدن پورہ بنارس کے رؤے سا اہل سنت کو خدائے کریم دونوں جہان کی ارجمندیوں سے سرفراز کرے، ہماری تحریک پر انھوں نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیے، حکیم صاحب کی ہمت مردانہ اگر سینہ تانے کھڑی نہ ہوتی تو یقین کیجیے کہ ہم اس کامیابی کا منہ ہرگز نہ دیکھ سکتے جواب ہر گوشے سے دیکھنے کے قابل ہے۔(۲۸)

اس طبیب حاذق کے خلوص پر قربان جائیں کہ اس کوہ یمانی میں تہائی سے زیادہ زر کثیر کا انتظام انہوں نے خود اپنی جیب خاص سے کیا۔اور رجسٹری کے کاغذات حضرت کے ہاتھوں میں تھما دیے۔

دیارِ غیر میں اتنی بڑی کامیابی مل جانے پر فرط مسرت سے حضرت قائد اہل سنت کی باچھیں کھل گئیں، سجدۂ شکر ادا کیا۔اور ۲۳؍اپریل کو سہارنپور پہونچ کر ۲۶؍اپریل ۱۹۸۷ء کو قلب شہر میں ''جامعہ غوثیہ رضویہ'' کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھ دی۔

تین بگہہ قطعہ آراضی (2600 گز مربع زمین) پر تقریباً ۳۲ کمروں، تین کانفرنس ہا

ل اور تین منزلہ پر شکوہ صابری جامع مسجد پر مشتمل یہ ادارہ دور سے دیکھنے میں واقعی ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے۔جس کی فصیلوں پر گنبد رضا کی جلوہ طرازیوں نے عمارت کی دلکشی میں چار چاند لگا دیے ہیں۔اس وقت یہ ادارہ حکیم صاحب کی سرپرستی، آپ کے بڑے صاحبزادے حکیم سید طارق انور چشتی کی نظامت اور جوان سال عالم دین مولانا اعجاز احمد ثقافی کی علمی قیادت میں منزل کی طرف رواں دواں ہے۔قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ادارہ کی پوری کفالت حکیم صاحب اپنی جیب خاص سے کرتے چلے آرہے ہیں۔شہر کے سارے سنی خوش عقیدہ مسلمان اس ادارہ سے وابستہ ہیں۔اور قرب وجوار کے ہزاروں مسلمانان اہل سنت حکیم صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہیں۔راقم کو سہارنپور اور گنگوہ کے تعلق سے مذکورہ بالا تفصیلات حکیم صاحب ہی کی زبانی معلوم ہوئیں۔

۵۔قائد اہل سنت کے طائر بلند پرواز نے کبھی گوہاٹی (آسام) کی فصیلوں پر دستک دی اور اہل سنت کا نشیمن سیجون نام کی ایک پہاڑی میں بنایا اور وہاں آرام فرما ایک مرد درویش کے نام پر دارالعلوم مخدومیہ کی تاسیس کر کے طوفانوں کی زد پہ ایک چراغ روشن کر دیا۔

۶۔ دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں　　کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر زبان زد عام وخاص ہے،اس کو پڑھنے کے بعد ذہن کے پردوں پر آج بھی ہزار بارہ سو سال پہلے کی وہ تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے جب مجاہدین اسلام کے قافلے ریگزار عرب کو عبور کرتے ہوئے صحرائے افریقہ اور وادی اسپین میں داخل ہوئے تھے۔ان کی برکتوں سے وہ کلیسا جن میں تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی توحید کے نغموں سے گونج اٹھے۔بیسویں صدی عیسوی کے تقریبا ربعِ آخر میں قائم شدہ ’’ورلڈ اسلامک مشن (الدعوۃ الاسلامیہ العالمیۃ) مذکورہ شعر کی ایک عملی تشریح وتصویر ہے جس کی خدمات خصوصیت کے ساتھ انگلینڈ وہالینڈ کی سرزمین پر اپنی مثال آپ ہیں۔مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد نورانی فرزند حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی وبعض دیگر علمائے اہل سنت کے اشتراک وتعاون سے حضرت علامہ ارشد القادری نے اس کی تاسیس سے توسیع تک مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

۷۔ہالینڈ کا سفر

۱۹۸۳ءمیں کچھ احباب کی دعوت پر قائد اہل سنت نے ہالینڈ کا سفر کیا۔ان کے لیے بہت آسان تھا کہ دو چار تقریریں کر کے اپنے معتقدین کا ایک محفوظ حلقہ بنا کر واپس لوٹ آتے لیکن انہوں نے محسوس کرلیا کہ یورپ میں عیسائی مذہب کا زوال شروع ہو چکا ہے۔یورپین اقوام کی نئی نسل مذہب سے دور ہوتی جارہی ہے۔ان کے چرچ ویران ہورہے ہیں۔مذہبی درسگاہوں میں گرداڑ رہی ہے۔ ہر چیز کو عقل کے ترازو پر تولنے والے مذہب کو بھی عقل کے ترازو پر تول رہے ہیں۔عیسائی مذہب کا یہ عقیدہ ان کے حلق کے نیچے کسی طرح نہیں اتر رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام،سولی پر چڑھ کر سارے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔

۱۹۸۳ء کے سفر میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی اور ان کے حلقۂ اثر کے تعاون سے جامعہ مدینۃ الاسلام کے نام سے دینی تعلیمات کا ایک مرکز قائم فرمایا۔اوراس کے لیے تین منزلہ عمارت خرید کر دینی تعلیم کا باضابطہ آغاز کر دیا۔

قائد اہل سنت کے لیے یہ چنداں حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ خود ہی اس ادارہ کے مؤسس بھی تھے،منتظم بھی اور مدرس بھی۔۹ مہینے مسلسل ہالینڈ میں رہ کر ڈچ،انگریزی،اورفرنچ زبانوں میں تقریریں کرنے والے مبلغین کی ایک ٹیم تیار کر کے وطن واپس لوٹ آئے۔(۲۹)

۸۔دوسری بار ہالینڈ کا سفر

۵ سال پہلے ہالینڈ میں جو شجر کاری کی گئی تھی اس کا پھل اب پک کر تیار ہو چکا تھا ۴رجون ۱۹۸۸ءکی تاریخ جشن دستار بندی کے لیے مقرر ہوئی اور فاؤنڈر چیرمین ہونے کی حیثیت سے علامہ کو دعوت دی گئی۔آپ نے اس سفر میں یورپ کو اسلام کی دہلیز پر کھڑا کرنے کے لیے ایک بہت ہی موثر اور جامع منصوبہ بنایا۔

وہ منصوبہ یہ تھا کہ یہاں ایسے علما پیدا ہوں جو ان کی مادری زبان میں اسلام کا آفاقی پیغام ان تک پہنچا سکیں۔اس کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ یورپ میں جن مسلمان بچوں کی مادری زبان،انگلش،فرنچ،جرمن اور ڈچ ہے انہیں بچوں کو عالم دین بنایا جائے۔اس وسیع منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لیے کیتھولک عیسائیوں کی ایک وسیع کالج کی عمارت مل گئی۔خدا کی غیبی امداد اوراس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فیضان پر بھروسہ کر کے ساٹھ لاکھ میں اس کا سودا

کرلیا۔(۳۰)

سورینام (جنبی امریکہ) میں اسلامی مرکز کا قیام

۱۹۸۸ء میں سورینام (جنوبی امریکہ) کی زمین پر قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری نے قدم رکھا۔ وہاں کے شوریدہ حال مسلمانوں کا جائزہ لیا۔ بے شمار مشکلات سینہ تانے کھڑی تھیں لیکن ان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے سرینام کی راجدھانی ''پاراماری بو'' میں دارالعلوم علیمیہ کے نام سے ایک تعلیمی مرکز کی بنیاد رکھ دی۔ وہاں مسلمانوں کی کوئی مؤثر سیاسی تنظیم نہیں تھی جوان کے مسائل کو حکومت تک پہونچائے اس کے پیش نظر ''سورینا مسلم پولیٹکل کونسل'' کے نام سے ایک ملک گیر مؤثر تنظیم کی بنیاد ڈالی۔(۳۱)

۱۰۔ پاکستان کا سفر اور دعوت اسلامی کا قیام

ایک بار کراچی کے کچھ مخلص جذباتی مسلمانوں نے شکایتی لہجہ میں قائد اہل سنت سے کہا:

حضور! نام نہاد تبلیغیوں نے پوری دنیا میں اپنے مرکز قائم کر رکھے ہیں، ہمارے پاس کوئی ایسی تنظیم نہیں جو منظم طریقہ پر بھولے بھالے غافل سنیوں کی رہنمائی کا کام انجام دے سکے ۔اوران کو ان بھیڑیوں کا لقمہ بننے سے بچائے۔ بے نوا سنیوں کے ان سیدھے سادھے جملوں کا اثر قائد اہل سنت کے فولادی دل پر ایسا ہوا کہ آپ پر اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی۔ عالم کرب میں فرمایا:

مجھے ایک کمرہ میں بند کر دو اب میں ایک تحریک لے کر کمرہ سے باہر نکلوں گا۔

ایسا ہی ہوا۔ پوری یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ آپ نے ایک عالمگیر تنظیم کا نقشہ تیار کیا ۔اس کے اصول اور طریقۂ کار وضع کیے۔اور نام ''دعوت اسلامی'' رکھا تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے ایک درسی کتاب ''فیضان سنت'' کا خاکہ بھی تیار کیا۔ (بروایت مولانا یوسف رضا قادری بھیونڈی، ممبئی از علامہ ارشد القادری) اس سلسلے میں حضرت مولانا شاہ احمد نورانی وحضرت مفتی ظفر علی نعمانی بانی دارالعلوم امجدیہ کراچی وحضرت مفتی وقارالدین رضوی شیخ الحدیث دارالعلوم امجدیہ کراچی سے مختلف مراحل میں تبادلۂ خیال کے بعد دارالعلوم امجدیہ کراچی کے اندر

۱۹۸۲ء میں دعوت اسلامی کی تشکیل ہوئی۔ حضرت مفتی وقار الدین رضوی کی نشان دہی پر مولانا محمد الیاس عطار قادری کو دعوت اسلامی کا امیر بنایا گیا۔(۳۲)

۱۱۔دارارقم مکہ مکرمہ کی سرزمین پر مبلغ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی، حضرت علامہ ارشد القادری، علامہ عبدالستار خان نیازی، علامہ شاہ فرید الحق اور پیر معروف نوشاہی کے اشتراک سے ''الدعوۃ الاسلامیہ العالمیۃ'' (ورلڈ اسلامک مشن) کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی گئی۔ اور ۱۲/دسمبر ۱۹۷۳ء کو اس کا عالمی مرکز برطانیہ کے شہر ''بریڈفورڈ'' میں قائم کیا گیا۔

۱۹۷۵ء میں ورلڈ اسلامک مشن کے زیر اہتمام علمائے اہل سنت کی ایک مؤقر ونمائندہ وفد نے یورپ، امریکہ اور افریقہ کے مختلف مقامات کا تبلیغی دورہ کیا۔ اس وفد کے نمایاں ارکان مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ احمد نورانی وقائد اہل سنت علامہ ارشد القادری تھے۔

مصادر ومراجع

(۱) خلیل احمد۔ مبلغ اسلام، علامہ شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی قادری ص ۸۷، مطبوعہ کراچی، پاکستان ۱۹۹۴ء

(۲) علامہ ارشد القادری قدس سرہ۔ سرینام، یورپ اور امریکہ کا ایک معلوماتی سفر۔ (خودنوشت وقائع)

(۳) مولانا وحید الدین خان احیاے اسلام ص۔ ۱۵، مطبوعہ گڈ ورڈ بک ڈپو، نئی دہلی۔

(۴) شاہ بدالعلیم صدیقی قادری۔ کتاب التصوف۔ ماخوذ از تعارف مولانا شاہ فضل الرحمن الانصاری المدنی خلیفۂ مبلغ اسلام عبدالعلیم صدیقی) ایضا: مقدمہ تبلیغ اسلام کے اصول اور فلسفے۔ از خورشید احمد پاکستان

(۵) خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام ص۔ ۳۲

(۶) مرجع سابق بحوالہ ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شمارہ اگست ۱۹۷۳ء۔ ۲۴

(۷) ہفت روزہ الفقیہ امرتسر ۲۸/ستمبر ۱۹۲۹ء ص۔ ۴

(۸) خلیل حمد رانا مبلغ اسلام ص۔ ۲۷

(۹) مولانا یٰسین اختر مصباحی، امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں۔ مطبوعہ ہندو پاک

(۱۰) خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام بحوالۂ ماہنامہ منارٹ (انگریزی) کراچی شمارہ اگست ۱۹۷۲ء

(۱۱) خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام بحوالہ ماہنامہ اخبار اردو اسلام آباد شمارہ مارچ ۱۹۹۲ء

(۱۲) مرجع سابق ص ۳۴۔۳۵

(۱۳) ہفت روزہ۔ الفقیہ امرتسر ۱۴/جون ۱۹۳۲ء ص۔ ۹
(۱۴) ماہنامہ منارٹ کراچی اگست ۱۹۷۳ء
(۱۵) سلطنتِ مصطفیٰ کا سفیر۔ ص ۱۴۔ مؤلفہ مولانا نسیم اشرف حبیبی، ڈربن، ساؤتھ افریقہ۔
(۱۶) تذکرہ اکابر اہلسنت مولانا عبدالحکیم شرف قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء
(۱۷) سلطنتِ مصطفیٰ کا سفیر، مفتی نسیم اشرف حبیبی ڈربن
(۱۸) محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۴۴
(۱۹) خلیل احمد رانا۔ مبلغ اسلام ص۔ ۵۰
(۲۰) مرزا ارشاد احمد علیمی۔ حیات علیم رضا، مطبوعہ ساہیوال ۱۹۸۰ء
(۲۱) انٹرویو، مولانا شاہ احمد نورانی، ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی۔ شمارہ اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء
(۲۲) اس تقریر کا اردو ترجمہ ''حقیقی مسرت کی تلاش'' کے نام سے ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی نے مئی ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع کیا۔
(۲۳) خلیل احمد رانا: مبلغ اسلام ۵۴۔ ۵۳۔ بحوالہ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں۔ از مولانا یٰسین اختر مصباحی، مطبوعہ کراچی۔
(۲۴) ذکر حبیب از مبلغ اسلام: مطبوعہ المرکز الاسلامی بی بلاک شمالی ناظم آباد کراچی۔
(۲۵) مقدمہ تبلیغ اسلام کے اصول اور فلسفے از خورشید سعیدی پاکستان۔
(۲۶) خلیفۂ اعلیٰ حضرت سیدنا ضیاء الدین میا جر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
(۲۷) شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی و مبارک پوری (وفات: ۱۹۷۶ء) بانی: الجامعۃ الاشرفیۃ مجوزہ عربی یونیورسٹی مبارک پور
(۲۸) علامہ ارشد القادری قدس سرہ، ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک ص۔ ۲، مطبوعہ مکتبہ جامنور مٹیا محل دہلی
(۲۹) فغان درویش علامہ ارشد القادری
(۳۰) فغان درویش: علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ ص۔ ۱۳۳
(۳۱) فغان درویش ص۔ ۱۳۰، بحوالۂ ماہنامہ رفاقت پٹنہ مارچ ۱۹۸۹ء
(۳۲) بروایت علامہ یٰسین اختر مصباحی۔ بانی وصدر دارالقلم نئی دہلی۔ ۲۵

اب انھیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

محقق رضویات، پروفیسر مسعود احمد نقشبندی رحمہ اللہ کی رحلت پر ایک تاثراتی تحریر

از محمد رضا قادری مصباحی
ریسرچ اسکالر: شعبۂ اختصاص فی الفقہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، ۲۰۰۸ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس بوقلموں اور فانی دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے کے لیے، باقی رہنے والی اگر کوئی ذات ہے تو وہ صرف اللہ عز وجل کی ذات ہے، مگر ہر جانے والے کا انداز رحلت یکساں نہیں ہوتا، کوئی اس طرح جاتا ہے کہ اس کے فراق میں آہ وفغاں تو کجا حسرت و یاس کے تحفے پیش کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اور کسی کا کوس رحلت اس شان سے بجتا ہے کہ ہزاروں لاکھوں عشاق چشم پرنم لیے ہوئے بھیگی پلکوں کے سایے میں اپنے محبوب ومحسن کو الوداع کہتے ہیں ۔گریۂ پیہم سے بے تاب ہوجایا کرتے ہیں، اور صبر وشکیب کے پیانے چھلک جاتے ہیں۔

۲۲ / ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ سہ شنبہ کی وہ ساعت ہمارے لیے بڑی ہی حسرتناک تھی جب ہمارے ایک ہم درس رفیق نے یہ دلدوز، جانگسل اور حسرتناک خبر سنائی کہ آفتاب علم وفضل، عالم اسلام کے عظیم محقق ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (پاکستان) عالم فنا سے عالم بقا کی طرف چل بسے اِناللہ وِانا اِلیہ راجعون استرجاع کے بعد فوراہی میں سکتے میں پڑ گیا ایسا محسوس ہوا کہ پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی ہو، اس سانحۂ ارتحال کو سننے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے ماضی کی یادوں میں گم ہو گیا، اور چند سالوں پیشتر پڑھے ہوئے ان کی نگارشات اور رشحات قلم کی دنیا میں جا پہنچا جہاں سے ان کی دھندلی سی تصویر نظر آرہی تھی، قلم میں وہ قوت کہاں جو ان کی ہشت پہلو شخصیت کی عکاسی کر سکے، اب بھی ان کی تحریری زینہ کے سہارے تاریخ کی شاہراہوں پر چل رہا تھا اور ان کے گوشۂ حیات کی جو تصویر آئینۂ دل میں منعکس ہوئی وہ یوں تھی، ۱۳۴۸ھ/ ۱۹۳۰ء میں دہلی کے ایک علمی خانوادہ شیخ طریقت مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی کے چمن میں ایک پھول کھلتا ہے' ایک سعادت مند نومولود کا تولد ہوتا ہے۔ سعادت و بزرگی جن کو ورثے میں ملی تھی، والدین اس نومولود کا نام مسعود احمد" رکھتے ہیں۔

کون سوچ سکتا تھا کہ آزادی کے اس ہوش ربا ماحول میں پیدا ہونے والا یہ بچہ کل مسلمانوں کی فکری، علمی اورلسانی قیادت کا فریضہ انجام دے گا، اور جس کی ضیا بار کرنیں ہندو پاک ہی نہیں بلکہ یورپ و امریکہ اور افریقہ کے تاریک صحراؤں کو بھی منور کر دیں گی۔ نفرت کرنے والے دلوں میں عشق و محبت کے چراغ روشن کر دیں گی۔ جس کے قلم عنبر افشاں کی خوشبو اہل ایمان کے مشام جاں کو معطر کرتی رہے گی۔ جس کی پوری زندگی عشق رسول اور حب اعلیٰ حضرت سے عبارت تھی۔ سوز وساز زندگی سے وہ خود بھی آشنا تھا اور دوسروں میں بھی زندگی پیدا کرنے کا ہنر جانتا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں جب اس مرد قلندر نے مجدد اسلام، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی ذات گرامی اوران کے عالمی شہ پاروں کی طرف عنان توجہ منعطف کیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امام احمد رضا بریلوی کا سراپا جب ان کی نگاہوں میں سمایا تو ایسا خود رفتہ ہوئے کہ انھیں کے ہوکر رہ گئے کسی دیدہ ور نے کیا خوب کہا تھا

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

جب تک وہ امام احمد رضا سے قریب نہیں ہوئے تھے دوسروں پر لکھتے رہے اور جب انھوں نے مجدد اعظم کے آئینۂ حیات کا غیر جانبدارانہ طور پر مطالعہ کرلیا توان کے عشق میں ایسا بے خود ہوئے کہ دنیا کا کوئی جام اس ترشی کو اتار نہ سکا اور کیوں نہ ہو کہ آپ سچے عاشق تھے اور ایک عاشق صادق کی پہچان بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ محبوب کی ذات میں خود کو گم کر دے۔ سچ فرمایا ہے حسان زماں، حضرت شیخ شرف الدین بوصیری، مصری رحمۃ اللہ علیہ نے

أَ يَحْسَبُ الصَّبُّ أَنَّ الْحُبَّ مُنْكَتِمٌ مَا بَيْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْهُ وَ مُضْطَرِمِ

ترجمہ: کیا عاشق یہ سمجھتا ہے کہ اشک رواں اور قلب تپاں سے آشکارا ہونے والی محبت پوشیدہ رہ جائے گی۔ (المدیح النبوي، قصیدۂ بردہ شریف، ص:۱، مطبوعہ مجلس برکات)

یہ تھا اس فلک پیما، کوہ کن مرد مجاہد کا عکس جمیل، جنھیں دنیا آج ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد کے نام سے جانتی ہے۔ (برد اللہ مضجعہ وطاب ثراہ)

یہ حقیقت ہے کہ اس اجمال کی اگر تفصیل کی جائے تو سینکڑوں صفحات بھی بیان حقیقت کے

لیے ناکافی ہوں گے، تاہم ان کی زندگی کے تابناک گوشوں پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنا ہم ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ آنے والی نسلیں ان کو سمجھ سکیں، جان سکیں اور ان کے کھینچے ہوئے خطوط پر چل کر انہیں کچھ کر گزرنے کا حوصلہ مل سکے۔

ڈاکٹر موصوف کا تعلیمی سفر: یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی شخصیت کی تعمیر و ترقی اور اس کو موزوں بنانے میں تعلیم و تربیت، گھر اور اردگرد کے ماحول کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے جس گھرانے میں آنکھیں کھولی وہ خالص علمی اور خانقاہی گھرانہ تھا۔ آپ کے والد ماجد، مفتیٔ اعظم دہلی، حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ نقشبندی دہلوی علیہ الرحمہ جلیل الشان بزرگ اور جامع مسجد فتحپوری کے امام تھے، ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، پھر ۱۹۴۰ء میں ۱۰/سال کی عمر میں مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں داخل ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں مسجد فتحپوری سے متعلق اورینٹل کالج میں داخلہ لے کر فارسی زبان و ادب کی تحصیل کی، ساتھ ہی اپنے والد گرامی سے استفادہ بھی کرتے رہے، ۱۹۴۸ء میں مشرقی پنجاب یونیورسٹی سے فاضل فارسی کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال اپنے بھائی مولانا منظور احمد رحمہ اللہ علیہ کی عیادت کے لیے پاکستان تشریف لے گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

پاکستان میں حیدرآباد کو اپنا مسکن بنایا اور ۱۹۵۱ء سے پھر آپ کا تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسی سال پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔[1] ۱۹۵۳ء میں انٹرمیڈیٹ اور ۱۹۵۶ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی، اے مکمل کیا اور اسی سال سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں داخلہ لیا، ۱۹۵۸ء میں ایم، اے کے امتحان میں امتیازی پوزیشن سے کامیابی حاصل کی اور پوری یونیورسٹی میں اول آئے جس کے صلہ میں گورنر مغربی پاکستان کی طرف سے گولڈ میڈل اور وائس چانسلر کی جانب سے سلور میڈل دیا گیا، اسی یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کا مقالہ بعنوان ''قرآن پاک کے اردو تراجم و تفاسیر'' قلم بند فرمایا۔ یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۵ء کے دوران پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ ٹائپ شدہ فل اسکیپ سائز کے ایک ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اور قابل تحسین بات یہ ہے کہ اس مقالے کی تیاری میں ڈاکٹر موصوف نے کافی تگ و دو کیا، یہاں تک کہ

---

۱) پروفیسر فیاض کاوش - ضیاے حرم ص ۵۴، نومبر ۱۹۷۶ء

ہندو پاک اور دیگر ممالک کے تقریباً اکسٹھ کتب خانوں سے استفادہ کیا۔(۱)

ڈاکٹر صاحب بحیثیت معلم: ۱۹۵۸ء سے آپ کا تدریسی سفر شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے گورنمنٹ کالج میرپور میں اسی سال لکچرار کی حیثیت سے آپ کی تقرری ہوئی، ۱۹۶۶ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ (بلوچستان) میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں گورنمنٹ کالج ٹنڈو محمد خان میں پرنسپل کا عہدہ سنبھالا۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۳ء تک اسی منصب جلیل پر فائز رہے۔ البتہ جگہیں بدلتی رہیں۔ کالج ٹنڈو محمد خان سے گورنمنٹ کالج کھیرو، پھر گورنمنٹ کالج سٹھی، اس کے بعد گورنمنٹ سائنس کالج سکرند نواب شاہ میں منتقل ہوتے ہوئے آخر میں گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھ میں پرنسپل مقرر ہوئے اور ۱۹۹۳ء تک اس عظیم منصب پر فائز رہ کر دین وسنت اور قوم اور ملت کی بے پناہ خدمات انجام دیں، آپ کی انتھک کوششوں سے ان دانش کدوں میں ایک علمی انقلاب برپا ہوگیا۔ تعلیمی شعبوں کا معیار بلند سے بلند تر ہوگیا، طلبہ اور اساتذہ ہر ایک نے آپ سے بقدر ظرف استفادہ کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پروفیسر موصوف کی پوری زندگی پڑھنے، پڑھانے، لکھنے اور لکھانے میں گزری ایک پرنسپل کے لیے یہی بہت ہے کہ اپنی ذمہ داریوں سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو جائے۔ مگر موصوف کی زندگی اس سے کافی بلند تھی کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے، متعدد ادارے قائم کیے اور سو سے زائد کتابیں، سینکڑوں تحقیقی مقالات ان کے خامۂ زرنگار سے معرض وجود میں آئے۔

۱) گناہ بے گناہی، پروفیسر محمد مسعود رحمہ اللہ، ص: ۹۰، مطبوعہ: المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۹۹۳ء بحوالۂ تعارف علمائے اہل سنت، ص ۱۰۴

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

شہید بغداد، علامہ شاہ اسید الحق بدایونی، علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کی بولتی تصویر تھے۔

محمد رضا قادری مصباحی

شہید بغداد، عاشق غوث اعظم رضی اللہ عنہ، محدث بدایونی، مولانا اسید الحق محمد عاصم القادری نور اللہ ضریحہ ۲؍رجمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۴؍مارچ ۲۰۱۴ء کو نبیوں اور ولیوں کی مقدس سرزمین پر اولیا وصلحا کی زیارت کرتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ ان کو رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے ابھی بھی قلم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے؛ کیوں کہ وہ ابھی تک ہمارے ذہنوں میں زندہ ہیں، ہماری خلوت وجلوت میں زندہ ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ دہائیوں سے متواتر اکابر علماے اہلسنت کی رحلت کا سلسلہ بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ یقیناً سب کی وفات جماعت اہلسنت کا عظیم خسارہ ثابت ہوئی، لیکن جس شخصیت کے ناگہانی وصال پر مجھے اور جماعت کے دردمند افراد کو سب سے زیادہ صدمہ پہنچا وہ میرے ممدوح حضرت مولانا اسید الحق صاحب کی ذات گرامی ہے، ان کی رحلت سے ہماری جماعت کا عالمی نقصان ہوا۔ مستقبل کے دردمند قائد، بے نظیر مفکر، دوراندیش عالم ربانی سے جماعت اہل سنت محروم ہوگئی۔ ابھی تو انھوں نے اپنے کام کا آغاز ہی کیا تھا، ان کے مستقبل کا پلان یہ تھا کہ جب آبا و اسلاف کی کتابوں سے فرصت مل جائے گی تو بڑے پیمانے پر پروجیکٹ کے تحت ان موضوعات پر کام کیا جائے گا جن پر ابھی تک ہمارے یہاں کام نہیں ہوا ہے۔ مثلاً راقم الحروف سے اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا عالم عرب سے ایک کتاب ''أعلام القرن الرابع عشر'' کے نام سے تیار کی گئی ہے، جس میں بیسویں صدی کی اہم ترین شخصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس میں عرب وعجم کے ہمارے اکابر علماے اہل سنت کو نظر انداز کیا گیا ہے اور اگر تعارف کرایا بھی ہے تو غلط انداز میں، ہم فرصت پا کر اس موضوع پر کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور باضابطہ ٹیم ورک کے طور پر یہ کام انجام کو پہنچے گا۔ وہ حقیقی معنوں میں نوجوان نسل کے نمائندہ عالم، عظیم قلمکار و مصنف، بے نظیر ادیب وشاعر اور ممتاز ناقد و محقق تھے، وہ پوری انسانیت کو من حیث الامت دیکھنے کے قائل تھے، جماعتی سطح پر دعوتی لٹریچر کا

فقدان نظر آتا ہے سوائے مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی کے لٹریچر کے، عصر حاضر میں مولانا اسید الحق قادری کی وہ شخصیت تھی جس نے اس میدان میں کام کرنے کے لیے دعوتی لٹریچر تیار کیے تھے اور ہندی، انگریزی، مراٹھی اور گجراتی میں چھپوا کر اسے شائع کرایا۔ جماعت کا سب سے بڑا نقصان اس طور پر ہوا کہ موجودہ عصر میں کام کرنے کے لیے جن وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے وہ سب قدرتی طور پر مولانا کو پہلے سے فراہم تھے، آبا و اجداد کی چھوڑی ہوئی عظیم الشان لائبریری، ۸۰۰ رسالہ خاندانی روایات، حلقۂ متوسلین و ارادت اور مادی اسباب کی کثرت کے علاوہ ان کی اپنی ذاتی علمی و شخصی وجاہت یہ تمام وسائل آج شاید ہی کسی اہل علم کے یہاں جمع ہوں، ہمارے یہاں اکثر کام نہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی کے پاس اگر علم ہے تو ذرائع نہیں، مال ہے تو علم نہیں اور اگر مال و علم دونوں جمع ہو جائیں تو جذبہ و ہمت نہیں مولانا کے یہاں یہ تمام چیزیں بدرجۂ اتم موجود تھیں، خانوادۂ قادریہ کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ خانوادہ ایک لائق و فائق جانشین و قائد سے محروم ہو گیا، ایسا جانشیں جس کے اندر سیدنا عثمان غنی کی سخاوت، شاہ عبدالمجید بدایونی کا فقر و تصوف، علامہ شاہ فضل رسول بدایونی کی علمی تصویر، حضرت تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی اور عبدالمقتدر بدایونی کا علمی جاہ و جلال نظر آتا تھا، جسے امام علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی اور مفتی مطیع الرحمٰن رضوی نے تراش خراش کر جوہر خالص بنا دیا تھا۔ خانقاہ کی گزشتہ پچاس سال کی تاریخ میں پہلی بار اسید الحق قادری کی شکل میں ایسی شخصیت جلوہ گر ہوئی تھی کہ جس آفتابِ فضل و کمال نے نہ جانے ہم جیسے کتنوں کو درخشاں کر دیا، جس کی ادا میں حضرت عثمان ذوالنورین کی شان سخاوت اور شان حیا جھلکتی تھی، جس کے تفکر میں شیخ دانیال قطری کا عکس دکھائی دیتا تھا، جس کے عارض تاباں پر جمال یوسفی کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ جس کی ایک مسکراہٹ سے کتنے شکستہ دلوں میں جان پڑ جاتی تھی، جس کی صالح تنقید نے جماعت کو نئے انداز میں سوچنے کا مزاج دیا، جس کی روح تمام سجادگان ہند کو متحد کرنے کے لیے بے چین تھی، سچ فرمایا حضور امین ملت نے: ''اب جماعت کو ایسی شخصیت پیدا کرنے کے لیے بڑی سعی کرنی پڑے گی۔ ہمارا بہتر خراج عقیدت ان کی بارگاہ میں یہ ہوگا کہ ان کے چھوڑے ہوئے مشن اور علمی کام کو ہم اسی انداز میں آگے بڑھانے کی کوشش کریں''، ہمارے اندر ایک کمی یہ ہے کہ ہم مرنے

سے قبل کسی کا اعتراف کرنا اور اس کو اس کا قرار واقعی مقام دینا جانتے ہی نہیں، یہاں تک کہ حوصلہ افزائی بھی نہیں کرتے، نہ اپنی جماعت کے اعلی دماغ کو استعمال کرنا جانتے ہیں، اللہ تعالی نے جتنے ذہین اور قابل افراد ہماری جماعت میں پیدا کیے آج تک کسی کی جماعت میں پیدا نہ ہوئے خواہ وہ دعوتی میدان ہو یا تحریری میدان، مگر ہم نے ہمیشہ ان کی قدر دانی میں بخل سے کام لیا، اللہ اس جماعت سے حسد اور بغض کو ختم فرمائے

پرنسپل: جامعہ حضرت نظام الدین اولیا ذاکر نگر ۲۲ نئی دہلی

مرقومہ: مارچ ۲۰۱۴ء

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

تلمیذ و مرید، حضور حافظ ملت حضرت الحاج مولانا مفتی قاری، مقری نور الحق مصباحی مبارک پوری کا سانحۂ ارتحال، جماعت اہل سنت کا عظیم خسارہ

یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت رنج ہو رہا ہے کہ استاذ گرامی، پروردۂ حضور حافظ ملت، تلمیذ رشید حضرت قاری مقری ابن ضیا محب الدین الہ آبادی، بقیۃ السلف، عمدۃ الخلف، فخر القراء، حضرت مولانا قاری، مقری، مفتی نور الحق مصباحی رحمۃ اللہ علیہ آج مؤرخہ ۲۹/ جمادی الاول ۱۴۳۹ھ/ ۱۳/فروری ۲۰۱۸ء بروز منگل ۵ بجے شام کو اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی رحلت سے جماعت اہل سنت ہند کو زبردست علمی نقصان پہنچا ہے، آپ کی ذات اپنی ہمہ جہت شخصیت کے اعتبار سے تنہا ایک انجمن تھی، بہت سے علوم وفنون پر آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ فقہ وادب، حدیث وتفسیر، منطق وفلسفہ، علم المناظرہ والکلام اور علم قراءت جیسے اہم علوم شخص واحد میں سمٹ آئے تھے۔ آپ کی ذات نام ونمود، تصنع وریا سے پاک تھی، بڑی بے نفسی اور خودداری کے ساتھ زندگی گذاری، ہزارہا تلامذہ نے آپ سے فیض پایا اور ایک عالم آپ کے فیض سے سیراب ہوا۔ اس دور قحط الرجال میں آپ کی ذات فن قراءت کے جلیل المرتبت شیخ اور امام کی حیثیت رکھتی تھی۔

ولادت: ۲۲/اکتوبر ۱۹۴۷ء قصبہ مبارک پور میں آپ کی پیدائش ہوئی (۱)۔ آپ کے والد حافظ عنایت اللہ ابن حاجی سلیم اللہ مبارک پور کے مشہور حفاظ میں سے تھے۔

تعلیم وتربیت: مکتب کی تعلیم سے لے کر درس نظامی تک کی مکمل تعلیم، ابتدا تا انتہا دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں ہوئی۔

اساتذہ: درس نظامی کی ابتدائی کتابیں حضرت قاری محمد یحیٰ علیہ الرحمہ سے پڑھیں، حضرت مولانا سید شمس الحق گجہڑوی قدس سرہ سے فارسی کی پہلی، دوسری، گلستاں، بوستاں، علم الصیغہ،

---

۱) حوالہ: اَسناد، مولوی ۱۹۶۴ء وعالم ۱۹۶۵ء

بدایۃ الحکمت اور ابتدائی کتب، حضرت مولانا سید حامد اشرف جیلانی کچھوچھوی قدس سرہ سے قطبی، میر قطبی، رسالہ میر زاہد، مولانا ظفر الدین ظفر ادیبی مبارکپوری سے، نور الانوار اور عربی ادب کی بعض کتابیں، حضرت مولانا شفیع احمد مبارک پوری سے، متنبی اور ملا حسن، حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہ سے شرح جامی، مختصر المعانی، المطول، ہدایہ آخرین، بیضاوی شریف، سراجی اور تسریح کے دروس نائب حضور حافظ ملت حضرت علامہ عبد الرؤف بلیاوی علیہ الرحمہ سے لیے اور اپنے مرشد گرامی حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ سے جلالین شریف، بخاری شریف اور ترمذی شریف کا درس لیا اور ۱۹۶۵ء مطابق ۹ رشعبان ۱۳۸۵ دستار فضیلت حاصل کی۔ (۱)

ایک سال میں قراءت سبعہ عشرہ کی تکمیل: درجہ فضیلت سے فراغت کے بعد آپ لکھنؤ تشریف لے گئے اور مدرسہ تجوید القرقان دریائی ٹولہ لکھنؤ میں داخلہ لیا اور اس وقت کے امام القراء في الہند تلمیذ حضرت قاری عبد الرحمن مکی الہ آبادی حضرت، قاری مقری ابن ضیا محب الدین علیہ الرحمہ سے روایت حفص، قراءت سبعہ عشرہ کی تکمیل فرمائی۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد ہی سے ۱۹۶۷ء میں حضور حافظ ملت نے آپ کو شعبۂ تجوید وقراءت کا مدرس مقرر کیا۔ ۱۹۷۱ء تک آپ نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔ ۱۹۷۲ء میں اپنی مرضی سے بمبئ تشریف لے گئے اور دار العلوم محمدیہ بمبئ میں نائب شیخ الحدیث کے طور پر آپ کی تقرری ہوئی، یہاں آپ نے منتہی درجات کے طلبہ کو حدیث وتفسیر، فرائض اور فقہ وادب کی تعلیم دی۔ یہاں آپ کے زیر درس رہنے والی کتابیں حسب ذیل ہیں: صحیح مسلم شریف، ابوداؤد شریف، مشکوۃ شریف، ہدایہ اولین وآخرین، سراجی، مختصر المعانی، متنبی اور جلالین شریف۔

درج ذیل کتابوں سے بخوبی عیاں ہے کہ آپ کو درس نظامی کے مختلف علوم وفنون پر کس قدر عبور حاصل تھا۔

فتاویٰ نویسی: حضرت استاد گرامی نے راقم سطور سے فرمایا تھا کہ دار العلوم محمدیہ ممبئ میں ہم نے

---

۱) سند فضیلت مولانا مولوی نور الحق بن حافظ عنایت اللہ، جاری کردہ: ۱۳۸۵ھ بدستخط حضور حافظ ملت، بحر العلوم، مولانا ظفر ادیبی، مولانا عبد الرؤف بلیاوی، مولانا محمد شفیع اعظمی، سید حامد اشرف جیلانی وسرکار کلاں، سید مختار اشرف کچھوچھوی سرپرست ادارہ ہذا۔ وحضرت قاری محمد یحیٰ، ناظم ادارہ ہذا۔

شروع سے اخیر تک مسلسل ۸؍سالوں تک فتاوٰی نویسی کا سلسلہ جاری رکھا اور وہاں در پیش سوالات کے جوابات بطور مفتی دیتا رہا۔ ۱۹۹۰ء میں مستعفی ہو کر آپ مبارک پور تشریف لائے۔

پھر دوبارہ ۱۹۹۰ء میں آپ کی تقرری جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں عمل میں آئی اور متواتر ۲۷؍سال تک اپنے علمی فیضان سے طلبہ کو یہاں سیراب کرتے رہے۔ وصال سے دو روز قبل بھی جامعہ تشریف لائے اور بچوں کے اسباق کا جائزہ لیا۔ یہ ہماری آخری ملاقات تھی حضرت اتوار کے دن بڑے جلال میں تھے اور لہجہ بہت تلخ تھا۔

بیعت وارادت: آپ نے اپنے استاذ گرامی، جلالۃ العلم، حضور حافظ ملت، علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری قدس سرہ کے ہاتھ پر ۲۲؍صفر المظفر ۱۳۹۰ھ/ ۱۹۷۰ء کو بیعت کا شرف حاصل کیا۔ (۱)

خلافت واجازت: آپ کو متعدد سلاسل طریقت کی اجازت جلیل القدر مشائخ عظام سے حاصل تھی۔

(۱) سلسلۂ عالیہ، قادریہ، وارثیہ چشتیہ نظامیہ، اشرفیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، رضویہ، ابوالعلائیہ، جہاں گیریہ

مؤرخہ ۵؍رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ/ ۲۱؍اگست ۱۹۷۷ء کو بمقام نواز منزل، کرلا، ممبئی نمبر ۷۰ میں آپ کو حضرت سید جمیل احمد وارثی، رہنما اور غلام خواجہ عبداللطیف حبیبی نے درج بالا سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ (۲)

(۲) ۱۱؍ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ/ ۷؍دسمبر ۱۹۸۷ء کو غلام خواجہ عبداللطیف سرنگ، حبیبی چشتی، نظامی، قادری نے سلاسل عالیہ قادریہ، چشتیہ، نظامیہ، سلیمانیہ، حافظیہ، حبیبیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ (۳)

(۳) سلسلۂ عالیہ مداریہ

---

۱) شجرۂ عالیہ قادریہ رضویہ، اشرفیہ، ص۶۔ اس شجرہ پر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کا دستخط اور یہی تاریخ درج ہے۔
۲) خلافت نامہ۔ حضرت سید جمیل احمد وارثی۔
۳) خلافت نامہ۔ خواجہ عبداللطیف حبیبی

۱۷ر جمادی المدار ۱۴۰۴ھ کو عرس مبارک سید بدیع الدین زندہ شاہ مدار رضی اللہ عنہ کے موقع پر صاحب سجادہ مولانا الحاج سید ذوالفقار علی جعفری مداری نے نسبت عالیہ مداریہ کی اجازت و خلافت تمام علمائے کرام وصوفیۂ عظام کے روبرو عطا فرما کر رسم دستار بندی فرمائی۔ (۱)

بحیثیت مناظر: حضرت قاری صاحب قبلہ کی شخصیت، ہشت پہل تھی۔ وہ اپنے عہد کے بڑے بارعب اور کامیاب مناظر تھے۔ اپنی زندگی میں ممبئی کی سرزمین پر متعدد مناظرے کیے اور دیوبندیوں کو لاجواب کر دیا۔

مناظرہ محمد علی پارک: ممبئی شہر کے محمد علی پارک کے ہال میں چاند کے مسئلہ پر آپ نے جامع از ہر مصر کے فارغ دیوبندی مناظر سے مناظرہ فرمایا۔ اس کا موقف تھا کہ ریڈیو ٹیلی فون سے چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔ آپ نے اس کے دلائل کا پرزور طریقے پر رد فرمایا۔ دیوبندی مناظر نے کھڑے ہو کر یہ اعتراض کیا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں اور دیگر فقہا نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ توپ اور بندوق کی آواز سے چاند کے ثبوت کا اعلان کیا جا سکتا ہے تو فی زمانناریڈیو اور ٹیلی فون سے چاند کا ثبوت کیوں نہیں ہو سکتا ہے؟ آپ نے گرجتے ہوئے اس کا مسکت جواب دیا اور فرمایا شامی کا جزئیہ اپنی جگہ درست ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ توپ اسی خاص مقصد کے تحت خاص تاریخ میں چھوڑا جاتا تھا مگر یہاں کوئی ریڈیو اسٹیشن ایسا نہیں ہے جو صرف اسی رویت ہلال کی خبر دینے کے لیے خاص ہو کہ جب اس سے وہ خبر نشر ہو پوری دنیا کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ مگر یہاں پر تو ہزار قسم کی خبریں ایک دن میں نشر ہوتی ہیں تم کوئی ایسا ریڈیو اسٹیشن قائم کرو تو آج بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ یہ قیاس مع الفارق ہے آپ کی اس گفتگو پر مناظرہ ختم ہو گیا۔ سنیوں کی طرف سے اس مناظرہ کی سرپرستی حضرت مولانا سید حامد اشرف جیلانی، مفتی جہاں گیر فتح پوری، مولانا سخاوت علی بستوی اور مولانا ظہیر الدین اشرفی فرما رہے تھے۔ دیوبندی مناظر آپ کے مسکت جواب اور للکار پر لاجواب ہو کر رہ گیا۔

مناظرہ رتنا گیری: تلمیذ صدر الشریعہ، حضرت مولانا حامد فقیہ ناظم علیہ الرحمہ بحیثیت مناظر آپ کو پانی جہاز کے ذریعہ رتنا گیری لے کر آئے جہاں آپ نے وہابیوں سے مناظرہ

---

۱) سند خلافت، حضرت سید ذوالفقار علی مداری قدس سرہ

فرمایا۔

جنرل سکریٹری انجمن خاکساران حق: آپ کی تحریکی وتنظیمی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر حضور مجاہد ملت علیہ الرحمہ نے آپ کو ممبئی سطح پر خاکساران حق کا جنرل سکریٹری مقرر فرمایا تھا جس کو آپ نے بخوبی نبھایا، اور بھی بے پناہ صلاحیتیں اللہ نے آپ کے اندر ودیعت کی تھی۔ انھوں نے اپنی ذات کی کبھی بھی نمائش نہیں کی۔ نہ اسے پسند کیا بلکہ مرد درویش اور قلندر صفت انسان کی طرح کنج خمولی میں بیٹھ کر گمنامی کی زندگی گزار دی یہی وجہ ہے کہ لوگ انھیں فقط قاری صاحب سمجھتے رہے۔

لیکن حقیقتاً ان کی شخصیت اس سے بہت بلند تھی۔ انھیں جامعہ اشرفیہ سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ حضور حافظ ملت سے ٹوٹ کر محبت فرماتے تھے۔ طلبہ کی اخلاقی تربیت پر بہت توجہ دیتے تھے۔ اپنے تمام تلامذہ میں اس فقیر پر شاید سب سے زیادہ مہربان تھے، جب تک باحیات رہے درسگاہ میں تشریف لاکر حوصلہ افزائی کرتے، تربیت فرماتے طلبہ کے اسباق کا جائزہ لیتے۔ انھیں راقم سطور پر غیر معمولی اعتماد تھا اپنی ساری کتابیں اور نوادرات راقم سطور کے حوالہ کردیے۔ ان کے جانے سے صف علما میں ماتم بچھ گئی ہے۔ اللہ تعالی انھیں غریق فردوس فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت کا ادنی کفش بردار: محمد رضا قادری مصباحی
خادم جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

مفتی محمد اشرف القادری التیغی ،ضلع مہوتری ،نیپال اوران کی تفسیری خدمات

(۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲-۲۶؍ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/ ۲۵؍جنوری ۲۰۱۷ء)

مرتبہ: محمد رضا قادری مصباحی
استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

نام ونسب: عزۃ الاسلام، عمدۃ المحققین، شمس الافاضل، بدر الأماثل، اشرف العلماء حضرت مفتی محمد اشرف القادری نوّر اللہ مرقدہ، ملک نیپال کی ایک انتہائی عبقری شخصیت تھے۔ وہ ایک عظیم محقق، تجربہ کار مصنف، کہنہ مشق مدرس، صاحب طرز ادیب، نازک خیال شاعر، فقہ حنفی کے جزئیات پر عمیق نگاہ رکھنے والے مفتی، بلند پایہ متکلم اور روحانی تشنگی بجھانے والے شیخ طریقت تھے۔ ان کی ولادت ترائی نیپال میں بہار اور نیپال کی سرحد پر واقع مردم خیز بستی ''تیغی''، ضلع مہوتری میں ایک اندازہ کے مطابق ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ معزز اور متمول خاندان میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ آپ کے مورث اعلیٰ لالی میاں مرحوم دینی حمیت اور شوکت دنیوی کے حامل ہونے کے ساتھ ۵۰؍بیگھہ آراضی کے مالک تھے۔ گورکھا شاہی عہد میں تین بادشاہوں کے زمانے میں تحصیلدار کے عہدے پر فائز تھے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ متوسطات تک کی تعلیم مدرسہ رضویہ شمس العلوم باڑا، ضلع سیتامڑھی اور جامعہ قادریہ مقصود پور، مظفر پور سے حاصل کی۔ درجات عالیہ کی تعلیم کے لیے ۱۳۹۲ھ کے آس پاس آپ نے ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور میں داخلہ لیا اور بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی سے جلالین شریف، حضرت قاضی شفیع احمد مبارک پوری سے ملاحسن اور شرح عقائد نسفی، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی قادری سے مشکوۃ المصابیح، مختصر المعانی اور میر زاہد پڑھی، حضرت مولانا اسرار الحق لَہراوی اعظمی سے ہدایہ شریف پڑھی اور حضور حافظ ملت قدس سرہ کی مجلسی گفتگو سے استفادہ کیا۔ جامعہ ہذا سے عالمیت کی تکمیل

فرما کر صرف ایک سال کے بعد تکمیل فضیلت کے لیے علامہ معین الدین خان فتح پوری کا علمی شہرہ سن کر آپ جامعہ عربیہ سلطان پور چلے آئے۔ علامہ معین الدین خان فتح پوری اعظمی سے بخاری شریف اور امام علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی علیہما الرحمہ سے بیضاوی شریف کا درس لیا۔ اور ماہ شعبان ۱۳۹۴ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

تدریسی خدمات: بعد فراغت آپ کی تقرری بحیثیت مدرس، نیپال کی ایک معروف دینی درسگاہ، مدرسہ اصلاح المسلمین (قائم شدہ ۱۹۷۵ء) بھمر پورہ، ضلع مہوتری میں ہوئی، جہاں آپ نے از ابتدا تا مشکوۃ، جلالین اور ہدایہ کا درس دیا۔ اس کے بعد دار العلوم قادریہ رشیدیہ، جلیشور، ضلع مہوتری (قائم شدہ ۱۹۷۷ء) میں بحیثیت پرنسپل و مفتیِ دار الافتاء تقریباً ۱۴؍سالوں تک کام کیا۔ وہاں سے مستعفی ہونے کے بعد آپ نے اپنے مرشدِ اجازت حضرت صوفی شاہ نمازی تیغی قدس سرہ کے حکم پر انھیں کی قائم کردہ درس گاہ جامعہ مدینۃ العلوم، پھکولی شریف، ضلع مظفر پور میں صدر المدرسین اور مفتی کا عہدہ سنبھالا اور ۱۴۱۶ھ تک تشنگان علوم وفنون کو سیراب کیا۔ تصنیف وتالیف کا بیش تر کام اسی عہد میں کیا۔

بیعت و اجازت: مدرسہ رضویہ شمس العلوم باڑا، ضلع سیتامڑھی میں طالب علمی کے زمانے میں ۱۳۸۹ھ میں مدرسہ رضاء العلوم کنہواں ضلع سیتامڑھی میں منعقد ایک کانفرنس کے موقع پر تاجدار اہلسنت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ بریلی شریف کے ہاتھوں پر سلسلۂ قادریہ رضویہ میں بیعت ہوئے۔ ۷؍ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ کو جلالۃ الارشاد، حضرت صوفی محمد نمازی قادری مظفر پوری، (ولادت: ۱۹۰۹ء- ــــ وفات: ۲۲؍جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ مطابق یکم جنوری ۱۹۹۸ء) نے مختلف سلاسل طریقت بالخصوص تیغیہ مجددیہ سلسلہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔

امانت شرعیہ وخانقاہ قادریہ تیغیہ کا قیام: دار العلوم قادریہ رشیدیہ سے مستعفی ہونے کے بعد آپ نے اپنے وطن مالوف میں امانت شرعیہ کے نام سے دار الافتاء والقضاء قائم کیا۔ جہاں ہندو نیپال سے آنے والے سوالات کے جوابات دیے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تصوف و طریقت اور روحانیت کی تعلیم عام کرنے اور سلسلے کی توسیع کے لیے خانقاہ تیغیہ بھی قائم کی جہاں سے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہا۔ ہزار ہا لوگ مفتی صاحب کے ہاتھ بیعت ہو کر داخل سلسلہ

ہوئے۔

تصنیفی وتالیفی خدمات: اشرف العلماء کو اللہ تعالیٰ نے قلم کی زبردست قوت سے نوازا تھا۔ ذہنِ اَخّاذ اور فکرِ وَقّاد پایا تھا۔ جس موضوع پر بھی لکھا خوب لکھا، تشنگی کو دور کرتے ہوئے مسئلے کو الم نشرح کردیا۔ آپ کی تحریر میں موضوعات وافکار کا بہت زیادہ تنوع پایا جاتا ہے۔ شعروادب، سیرت وسوانح، فقہ وفتاوٰی، کلام اور درس نظامی کی بہت سی ادق کتابوں کی شرح آپ کی وسعت علمی، فقہی تبحر، ژرف نگاہی اور دقت نظر پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی چھوٹی اور بڑی کتابوں اور رسائل کی تعداد ۷۰ تک پہنچ جاتی ہے۔ درج ذیل کتب آپ کے رشحات قلم کی یادگار ہیں۔

عقیدہ وکلام: (۱) کفر واسلام مطبوعہ ۱۴۰۵ھ (۲) مسلک محققین مطبوعہ ۱۴۱۳ھ (۳) الحجۃ القاھرۃ مطبوعہ ۱۴۳۴ھ (۴) الشرح النوري بشرح عقائد النسفی مطبوعہ ۱۴۳۴ھ (۵) تلبیس ابلیس غیر مطبوعہ۔

رَدومناظرہ: (۱) تلخیص مناظرہ رشیدیہ مخطوطہ (۲) مسلک اہل حق مخطوطہ (۳) گنگوہی کا عجائب خانہ مرقومہ ۱۴۳۴ھ مخطوطہ (۴) ضلال التیجاني وتسمیتہ بالاھتداء۔ یہ کتاب تیونس کے مشہور رافضی عالم ڈاکٹر محمد التیجاني السماوي کی کتاب ''ثم اھدیت'' کے جواب میں اہل ممبئی کے اصرار پر لکھی گئی۔ مطبوعہ ۱۴۳۷/۲۰۱۶ھ (۵) رد غیر مقلدیت مطبوعہ (۶) علم غیب نبی کے دلائل، مختلف اسرار وعلوم، مخطوطہ۔

سیرت: (۱) النبی المختار (عربی) مخطوطہ (۲) الأدب المختار (عربی) مخطوطہ (۳) سیرت رسول الثقلین مخطوطہ ۱۹۸۴ء (۴) سیرت خلیفۃ اللہ الأعظم مطبوعہ ۱۴۳۴ھ (۵) حجاز کا ماہ کامل، مطبوعہ ۲۰۱۳ء، مرقومہ ۱۹۸۹ء (۶) رسالہ سراپا رحمت عالم مخطوطہ (۷) تحقیق عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مختصر رسالہ، مخطوطہ ۱۴۱۹ھ۔

تذکرہ وسوانح: (۱) صدر امت (صحابہ، تابعین اور مجتہدین کے حالات پر) مخطوطہ (۲) الامام الأعظم مخطوطہ (۳) روشن چراغ کشمیر مخطوطہ (۴) امام ربانی مجدد الف ثانی ومجدد اربع مائۃ والف احمد رضا خان بریلوی، غیر مطبوعہ (۵) اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مخطوطہ۔

فقہ و اصول فقہ: (۱) شرح ہدایہ (ناتمام) کتاب الطہارت سے باب الحیض والاستحاضہ تک۔

تعداد صفحات ۸۶ (۲) اصول فقہ، غیر مطبوعہ ص ۵۸۔

فتاویٰ: تقریباً ایک ہزار فتاوٰی آپ نے لکھے۔ فتاوٰی کے کل رجسٹر پانچ ہیں جو محفوظ ہیں۔ غیر مطبوعہ۔ بلاغت: (۱) شرح مختصر المعانی (ناتمام) تعداد صفحات ۵۱۔

نحو: (۱) شرح مائۃ عامل کی مکمل شرح، غیر مطبوعہ، مفقود۔ (۲) تشریح کافیہ ابن حاجب مخطوطہ۔ کل تعداد صفحات ۲۰۰۔

منطق وفلسفہ: (۱) شرح ہدایۃ الحکمت مطول، غیر مطبوعہ (۲) فلسفہ وحکمت، مخطوطہ، متوسط سائز ص ۶۲، مرقومہ ۱۹۸۶ء (۳) شرح تہذیب وحکمت، مخطوطہ، متوسط سائز ص ۱۷۷۔

شعروادب: (۱) عشق کی محفل (مجموعۂ نعت) مطبوعہ (۲) عشق کی انجمن (مجموعۂ نعت وغزل) غیر مطبوعہ (۳) شرح حدائق بخشش (منتخب اشعار) غیر مطبوعہ۔

خطبات: خطبات اشرف العلماء، ۲ رجلدیں (۲) خطبات جمعہ وعیدین مع ضروری مسائل۔

ان کے علاوہ العلم والعقل مطبوعہ، مسائل متفرقہ پر شذرات الذہب، مشکوٰۃ نبوت مطبوعہ، اسلام اور قومیت غیر مطبوعہ، مصباح الدجیٰ غیر مطبوعہ اور ترجمہ التعریفات الجرجانیہ وغیرہ کتاب و رسائل آپ کے خامۂ زرنگار سے وجود میں آئیں۔

اشرف القادری کی تفسیری خدمات: اس موضوع پر حلقۂ اہل علم میں معروف ومتداول تفسیر قرآن ''بیضاوی شریف'' کی بہت ہی نفیس اور دلنشین شرح فرمائی ہے۔ یہ شرح بہت ہی مبسوط اور مفصل ہے۔ صرف سورۃ البقرہ کی شرح رجسٹر میں مکتوب سائز میں ۱۱۷۱ رصفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نام ''الفیض السماوي علی البیضاوي'' ہے۔ یہ آٹھ رجسٹروں میں مخطوطہ کی شکل میں ہے۔ راقم سطور نے اس کے پانچ رجسٹروں کی زیارت کی ہے اور ہر رجسٹر کے صفحات شمار کر کے لکھے ہیں۔ مزید شرح کے لیے مصنف کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ رحلت کر گئے۔ مصنف نے اس شرح کا آغاز ۱۴۳۵ھ میں کیا ہے جس کا سلسلہ ان کے سال وفات: ۱۴۳۸ھ تک جاری رہا۔

شرح بیضاوی کی خصوصیات: شارح بیضاوی نے چار صفحات میں ایک وقیع اور معلومات افروز مقدمہ لکھا ہے، جس میں فن تفسیر اور تاویل کی توضیح وتشریح میں تفصیلی کلام کیا ہے۔ تفسیر کی لغوی و اصطلاحی تعریف، موضوع، غرض وغایت کو بیان کرتے ہوئے شرائط وآداب مفسرین کو بھی بیان

فرمایا ہے اور آخر میں فواصل پر گفتگو فرمائی ہے۔ شارح کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے بیضاوی کی عربی عبارت کا اردو زبان میں معنیٰ خیز اور فصیح ترجمہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد تشریحات کے نام سے درج عبارات پر عالمانہ اور محققانہ کلام فرماتے ہیں۔ اس کے مشکل مقامات کی توضیح کرتے ہیں۔ قاضی بیضاوی چوں کہ مذہباً شافعی ہیں اسی وجہ سے انھوں نے مذہب شافعی کی رعایت کرتے ہوئے گفتگو کی ہے۔ شارح بیضاوی ایسے تمام مقامات پر مواقع اختلاف میں فقہ حنفی کی مؤید احادیث یا آیات پیش کرتے ہوئے مذہب حنفی کو بھی واضح فرماتے ہوئے گزرتے ہیں۔ شارح کی زبان ثقیل اور اسلوب خالص علمی ہونے کے سبب ادنی اور متوسط طبقہ کے لوگوں کے لیے اس شرح سے فائدہ اٹھانا قدرے دشوار ہے۔ امید ہے کہ یہ شرح اہل علم طبقہ میں مقبولیت حاصل کرے گی اور دنیاے مدارس کی ایک بڑی ضرورت پوری کر دے گی۔

نوٹ: درج بالا معلومات خود مصنف سے بالمشافہہ ملاقات کر کے اور ان کی کتب سے راقم سطور نے حاصل کی ہیں۔

فروغِ رضویات میں علماے نیپال کی قلمی کاوشیں

فقیہ اسلام، قطب الارشاد، مجدد المائۃ الماضیہ، مرجع الفقہاء ومقدام الصوفیہ، شیخ الاسلام و المسلمین اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قادری برکاتی بریلوی بن مولانا مفتی نقی علی خان بن مولانا مفتی رضا علی خان بن مولانا حافظ محمد کاظم علی خان بن محمد اعظم خان بن محمد سعادت یار خان بن محمد سعید اللہ خان رحمہم اللہ تعالی (۱۸۵۶ء/ ۱۲۷۲ھ۔۱۹۲۱ء/ ۱۳۴۰ھ) کے وصال کو اِمسال ۱۴۴۰ھ میں سو سال مکمل ہو رہے ہیں۔ گذشتہ چند صدیوں کی تاریخ پڑھنے کے بعد راقم سطور اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ ماضی قریب کی کئی صدیوں میں امام احمد رضا قادری۔قدس سرہ۔ جیسا عبقری فقیہ اور جامع علوم وفنون شخصیت پیدا ہی نہیں ہوئی، نہ کسی شخصیت کے تذکرہ، سوانح اور ان کی مختلف علمی جہات پر اس قدر کتابیں اور تحقیقی مقالات لکھے گئے۔ اعلی حضرت کی شخصیت معاصرین اور بہت سے متقدمین سے ممتاز نظر آتی ہے۔ ان کے وصال کے بعد برصغیر ہند و پاک میں ان پر تحقیقات کا جو کام شروع ہوا وہ اب سیل رواں اور تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ گذشتہ چار دہائیوں کے اندر عالمی سطح پر مختلف یونیورسٹیز میں آپ کی ذات اور علمی خدمات دونوں کو موضوعِ تحقیق بنایا گیا ہے مثلاً برکلے یونیورسٹی (امریکہ) کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) لائڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) نیوکاسل یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی (انگلینڈ) جامعۃ الأزھر (قاہرہ مصر) کراچی یونیورسٹی (کراچی، پاکستان) پنجاب یونیورسٹی (لاہور) علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) سندھ یونیورسٹی (جام شورو) پٹنہ یونیورسٹی، (پٹنہ)( ) بہار اردو و فارسی یونیورسٹی (مظفر پور) وغیرہ دانشگاہوں نے اعلیٰ حضرت کی خدمات پر تحقیق کے نتیجے میں پی ایچ ڈی اور ایم فل کی ڈگریاں اوارڈ کیں۔ گذشتہ دو دہائیوں کے اندر عرب دنیا کے متعدد اہل قلم نے آپ کی ذات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ اس میں سب سے بڑا حصہ ہند و پاک کے اہل قلم کا ہے لیکن اپنے اس عظیم محسن کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کی علمی عظمتوں کا اعتراف کرنے کے لیے نیپال کے علما و محققین بھی پیچھے نہیں رہے بلکہ فروغ رضویات میں ان کی کاوشیں لائق ستائش ہیں جنھیں کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بیسویں صدی کے اندر اعلیٰ حضرت کے افکار و نظریات

اور تعلیمات کے اثرات برصغیر سمیت جس طرح وسطی ایشیا کے بہت سے ملکوں پر پڑے ان ہمہ گیر اثرات سے نیپال بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، انوارِ رضویت کی کرنیں اسلامیان نیپال کے دلوں پر بھی پڑنے لگیں۔ ان کے وصال کے بعد صرف ربع صدی کے اندر ان کے بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض یافتگان نے نہ صرف ان کے سلسلۂ رضویہ کو طول وعرض میں پھیلایا بلکہ ان کے افکار و تعلیمات کی بھی پر جوش ترویج و اشاعت کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت نیپالی مسلمانوں کا سواد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے مسلک ومنہاج پر قائم ودائم ہے اور اسے اپنے لیے طُرّۂ امتیاز سمجھتا ہے۔

آمدم برسر مطلب، زیر نظر مقالہ میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ نیپال کے اہل قلم نے فروغ رضویات میں کتنا حصہ لیا ہے؟ اس ضمن میں ان کی کوششیں کہاں تک پہنچی ہیں اور انھوں نے اپنی کاوشوں سے باب رضویات میں کس قدر اضافہ کیا ہے؟ اس مختصر تحریر کا مقصد نہ ساری تحریروں کا احاطہ ہے، نہ ساری تحریریں دستیاب ہی ہیں بلکہ اجمالی طور پر ان کی خدمات کا تعارف کرانا ہے۔

۱۔ امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی ومجدد اربع مائۃ والف احمد رضا خان بریلوی

۲۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

یہ دونوں کتابیں نیپال کے معروف عالم دین اشرف العلماء، حضرت مفتی محمد اشرف القادري التيغي قدس سرہ (ولادت ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء۔ وصال ۲۶/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/ ۲۵/جنوری ۲۰۱۷ء) کی تصنیف ہے۔ دونوں کتابیں ابھی غیر مطبوعہ ہیں۔ اوّل الذکر کتاب میں مصنف نے دونوں مجدد دین اسلام کے حالات پر بڑی جامعیت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے جب کہ مؤخر الذکر کتاب میں صرف اور صرف امام اہل سنت کے حالات اور ان کی علمی وفقہی بصیرت پر گفتگو کی گئی ہے یہ کتاب چھوٹی سائز میں مخطوطہ شکل میں ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔شرح حدائق بخشش

یہ کتاب بھی اشرف العلماء ہی کی تصنیف ہے، اس میں آپ نے اعلٰی حضرت قدس سرہ کے منتخب کلام کی علمی، فکری اور عارفانہ تشریح وتوضیح کی ہے۔ رجسٹر سائز میں ۴۶ صفحات پر مشتمل

اور غیر مطبوعہ ہے۔

اشرف العلماء، کی ولادت ہند و نیپال کے سنگم پر واقع بستی ''دینبھی''، ضلع مہوتری نیپال میں ہوئی۔ آپ ایک متبحر عالم دین، بالغ نظر فقیہ، کہنہ مشق مدرس، نازک خیال شاعر، بلند پایہ صوفی اور کثیر التصانیف محقق تھے۔ تقریباً ۷۰ چھوٹی بڑی کتابیں آپ کی باقیات سے ہیں، تقریباً ایک ہزار فتاویٰ لکھے، آپ کے فتاوی میں جابجا اعلیٰ حضرت کے فتاوٰی رضویہ سے استشہاد پایا جاتا ہے۔

۴۔ کنز الایمان اور تفسیر خزائن العرفان میں واقع کتابت کی اغلاط کی تصحیح

نیپال کے ایک عالم دین کو یہ شرف حاصل ہے کہ انھوں نے سیدی اعلیٰ حضرت کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان اور اس کی لاجواب تفسیر خزائن العرفان مؤلفہ خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہما الرحمہ پر ایک تحقیق و تفتیش طلب کام کیا ہے۔ خلیفۂ حضور برہان ملت، مصلح امت حضرت مولانا مفتی محمد مصلح الدین قادری رضوی برہانی (پ ۱۹۵۴)، بانی خانقاہ قادریہ رضویہ برہانیہ، گلاب پوسوا کٹیا، ضلع مہوتری نیپال، موجودہ شیخ الحدیث جامعہ حبیبیہ اسلامیہ، لعل گوپال گنج، الہ آباد نے راقم سطور سے فرمایا: یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ۱۹۸۶ء سے ۱۹۸۹ء کے دوران حضور صدر الشریعہ کے داماد، تلمیذ حضور حافظ ملت مولانا عبد الشکور مرحوم کے قائم کردہ ادارہ الجامعۃ الامجدیہ، بھیونڈی میں تدریسی فریضہ انجام دے رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: مولانا صاحب! کنز الایمان کو مختلف سنی کتب خانوں نے شائع کیا ہے لیکن عدم توجہ کی بنیاد پر ہر اشاعت میں کچھ نہ کچھ خامیاں باقی رہ گئی ہیں۔ بدعقیدہ لوگ اس کو دلیل بنا کر تضحیک اور اعلیٰ حضرت کی شان میں توہین کرتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ کنز الایمان کی ایک اشاعت ایسی ہو جو اس طرح کی غلطیوں سے پاک ہو۔ اس سلسلہ میں حضرت محدث امروہوی مولانا مبین الدین فاروقی علیہ الرحمہ کی تصحیح والا نسخہ سب سے بہتر مانا جاتا ہے۔ میں نے بمشکل تمام اسے حاصل کرلیا ہے ہم دونوں لوگ مل کر ا۔ ۱۵ پاروں کی تصحیح کرتے ہیں اور ۱۶ سے ۳۰ پارے تک کا کام میرے صاحبزادے مفتی محمود اختر صاحب انجام دیں گے۔ آپ بعد نماز مغرب ہماری قیام گاہ پر روزانہ تشریف لے آئیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ان کی گذارش کو مانتے ہوئے پوری

پابندی کے ساتھ اس کام کو شروع کر دیا۔ ترجمہ اور تفسیر دونوں کے اندر کتابت کی بے شمار اغلاط تھیں حتیٰ کہ بہت سے مقامات پر قرآن پر اعراب لگانے میں بھی غلطیاں واقع ہوئی تھیں۔ سب سے مستند و معتبر حضرت محدث امروہوی کی تصحیح والا نسخہ تھا لیکن باریک بینی سے جائزہ لینے پر اس میں بھی بہت سی خامیاں نکل آئیں۔ ابھی تین ہی پاروں پر کام مکمل ہوا تھا کہ دو بڑے رجسٹر پُر ہو گئے۔ ادھر مفتی صاحب قبلہ سخت بیمار پڑ گئے اور ناچار جامعہ چھوڑ کر آپ کو گھر آنا پڑا۔ خدا جانے یہ کام کس منزل تک پہنچا۔ کنز الایمان کی تصحیح، حضرت مولانا عبد الشکور مرحوم اور مفتی صاحب قبلہ کا وہ مثالی کارنامہ ہے جسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

۵۔شانِ اعلیٰ حضرت پر تحریری خطاب

مفتی صاحب جہاں دینی درس گاہ کی شان ہیں وہیں حدیث و تفسیر، فقہ و تصوف، سیرت، تاریخ، شاعری اور فن خطابت میں اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ مبتدی و متوسط طلبہ و علما کے لیے شان خطابت، روح خطات، جان خطابت، روح خطابت اور تاج خابت کے عنوان سے پانچ عمدہ کتابیں تصنیف کی ہیں جن کی زبان انتہائی سلیس، فصاحت و بلاغت سے لبریز اور ادبی اسلوب کی حامل ہونے کے ساتھ ہی خطیبانہ مذاق و مزاج سے مکمل ہم آہنگ ہے۔

جانِ خطابت میں ۲۰ صفحات پر مشتمل شانِ اعلیٰ حضرت کے نام سے آپ نے ایک تقریر تیار کی ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ الفاظ کی بندش اور نشیب و فراز سے قارئین عش عش کر اٹھتے ہیں۔ مفتی صاحب کی ان کتابوں کی روشنی میں صرف اسلوب نگارش پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

۶۔وظائف عید الاسلام پر تحشیہ، ترجمہ اور تحقیق

خلیفۂ اعلیٰ حضرت حضور برہان ملت کی یہ کتاب تصوف و سلوک کے موضوع پر لکھی ہوئی ہے۔ اس پر کام کی نوعیت یہ ہے کہ مفتی صاحب نے قیام جبل پور کے دوران اس میں وارد تصوف کی اصطلاحات کی تشریح، توضیح طلب مقامات پر حاشیہ نگاری اور اس کتاب میں شامل فارسی اور عربی اشعار کا اردو میں ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو از سر نو مرتب بھی کیا ہے۔ اس کے صفحات کی تعداد ۶۰ ہے۔ اس کتاب میں بطور ترتیب و تحقیق و تحشیہ مفتی صاحب ہی کا نام سرورق

پر لکھا ہوا ہے۔

۷۔فتاوٰی رضویہ اور بہار شریعت سے ماخوذ مسائل امامت

یہ کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔مسائل متعلقہ بہ استحقاق امامت ۲۔مسائل امامت متعلقہ بہ صحت نماز

۳۔مسائل امامت متعلقہ بہ جماعت ۴۔مسائل امامت متعلقہ بہ سجدۂ سہو

۵۔مسائل امامت متعلقہ بہ قراءت ۶۔متفرق مسائل امامت

یہ کتاب تقریباً ۱۵۰ مسائل فقہ کا مجموعہ ہوگی، ہنوز زیر ترتیب ہے۔اس سے عوام مسلمین کو بھی ضروری مسائل سمجھنے میں بڑی مدد ملے گی۔اس کے مرتب نیپال کے ایک بزرگ عالم دین مفتی محمد عثمان رضوی ہیں۔جو ضلع دھنوشا کی مردم خیز بستی ''بیلا لادو'' میں ۱۹ر ستمبر ۱۹۵۴ء کو پیدا ہوئے۔۱۹۸۵ سے ۲۰۱۶ تک مدرسہ انوار العلوم کماں، سیتامڑھی بہار میں گورنمنٹی ملازمت میں تدریس سے منسلک رہے، آپ نے فقہ وفتاوٰی کے میدان میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا ہے۔ ۱۹۸۸ء سے ۲۰۰۸ء تک مسلسل ۲۰ سال دارالعلوم قادریہ، غوثیہ مرگیا چک، سیتامڑھی کے دار الافتاء میں بیٹھ کر مفتی کی حیثیت سے فتاوٰی نویسی کی۔اس لیے تدریس اور افتا دونوں کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔ اس وقت مدرسہ حنفیہ برکاتیہ، جنک پور میں صدرالمدرسین اور مفتیٔ ادارۂ شرعیہ نیپال کے منصب پر فائز ہیں۔

۸۔تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ

یہ کتاب برصغیر ہند و پاک میں اردو زبان میں لکھی جانے والی سب سے اول اور مبسوط کتاب ہے جو اعلیٰ حضرت کے مشائخِ سلسلہ کے حالات پر تفصیلی اطلاع فراہم کرتی ہے۔اس کے کل صفحات کی تعداد ۷۵۵ ہے اور اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر اعلیٰ حضرت اور ان کے بعد مفسر اعظم ہند مولانا ابراہیم رضا خان جیلانی میاں تک ۴۲ مشائخ سلسلۂ رضویہ کے حالات کا احاطہ کیا گیا ہے۔اس میں سب سے مبسوط بیان اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ہے نورسی ونہم کے عنوان سے ۳۹ویں نمبر پہ اعلیٰ حضرت کا تذکرہ اوران کا بہت ہی جامع اور مدلل تعارف ۷۸ صفحات میں کرایا گیا ہے جو ص ۳۹۱ سے شروع ہوکر ۴۶۸ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔کتاب کے شروع

میں حضور احسن العلماء سجادہ نشین مارہرہ شریف، حضور تاج الشریعہ جانشین مفتیٔ اعظم ہند، بریلی شریف اور ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد مجددی، پاکستان علیہم الرحمہ نے ایک ایک صفحے میں اپنے تاثرات اور دعائیہ کلمات پیش کیے ہیں جب کہ محقق دوراں، مولانا محمد جلال الدین قادری، کھاریاں، گجرات، پاکستان نے ۲۰ صفحات میں ایک مبسوط تقدیم لکھ کر اس کتاب کی وقعت میں غیر معمولی اضافہ کیا ہے۔ یہ مقدمہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کتاب کے مؤلف ملک نیپال کے ضلع سرلاہی کی مردم خیز بستی ''سندر پور'' سے تعلق رکھنے والے جلیل القدر عالم دین، شہید راہ حق حضرت مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی سندر پوری مرحوم ہیں جن کی ولادت ۲۰؍فروری ۱۹۵۷ء کو سندر پور میں ہوئی جامعہ فاروقیہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد برسہا برس بنارس میں واقع ایک دینی درس گاہ مدرسہ مجیدیہ سرائے ہڑہا میں گورنمنٹ ملازمت سے منسلک رہے۔ عین عالم شباب میں ۸؍جون ۱۹۹۸ء کو کچھ شرپسندوں نے منصوبہ بند طور پر آپ کو شہید کر دیا۔

مولانا مرحوم ایک باصلاحیت مدرس، اثر آفریں واعظ اور زود نویس قلمکار اور نوجوان محقق تھے۔ سیرت وسوانح اور تاریخ کے موضوع پر آپ نے ۶ کتابیں تصنیف کیں۔

یہ کتاب پہلی بار ۱۹۸۹ء میں، دوسری بار جنوری ۱۹۹۶ء میں مصنف کی حیات میں چھپی تیسری بار ۱۹۹۹ء میں اور چوتھی بار ۲۰۰۲ء میں ادیب شہیر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ کی کوششوں سے طبع ہوئی۔ تیسرے ایڈیشن میں مولانا موصوف نے اپنی طرف سے اس میں مشائخ قادریہ رضویہ کے بیچ میں برکاتیہ کا اضافہ کیا اور تقدیم میں اس کی صراحت بھی کر دی۔ اخیر کے تینوں ایڈیشنز المجمع المصباحی، مبارک پور سے شائع ہوئے۔ بقول مصنف یہ کتاب ۱۹۸۲ء سے ۱۹۸۴ء کے درمیان لکھی گئی ہے۔ حالات کی فراہمی اور جمع و تدوین میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ مدلل گفتگو کی گئی ہے اور بہت سے قلمی نسخوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

۹۔ کنز الایمان اردو تراجم کی جان

باب رضویات میں مرحوم کی دوسری اہم کاوش ''کنز الایمان اردو تراجم کی جان'' ہے۔ یہ

ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکی اور معلوم بھی نہ ہوسکا کہ یہ طبع ہوئی یا نہیں۔مگر عنوان سے پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے اس میں دیگر تراجم کے ساتھ کنزالایمان کا تقابلی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۰۔ جہانِ علم وفضل

ملک نیپال کے ضلع روتہٹ، قصبہ جےَ نگر سے تعلق رکھنے والے ایک معروف عالم دین اور ممتاز صحافی حضرت مولانا مفتی محمد ممتاز عالم مصباحی، (پ: ۱۹۷۹ء) صدر المدرسین جامعہ رضویہ مناظر العلوم، بابو پورہ کان پور، اتر پردیش نے اعلیٰ حضرت کی مختلف علوم وفنون میں مہارت کو ثابت کرنے کے لیے ۲۰۱۰ء میں ''جہان علم وفضل'' کے نام سے ایک تحقیقی کتاب لکھی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے الإجازات المتینہ لعلماء بکۃ و المدینۃ میں اپنے تعلق سے جن ۵۵ رعلوم وفنون نقلیہ وعقلیہ میں مہارت کا ذکر کیا ہے، جہان علم وفضل میں انھیں علوم پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک تجزیاتی اور فکری مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ان علوم سے علوم قرآن، حدیث، اصول حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، عقائد وکلام، منطق، فلسفہ، مناظرہ، ہیئت، توقیت، ہندسہ، حساب، جفر، تکسیر، طب، زیجات، جبر ومقابلہ، لوگارثم، ارثماطیقی، مثلث کروی، ابعاد، فرائض، اقتصاد، معدنیات، ارضیات، تاریخ، جغرافیہ، سائنس اور تصوف واخلاق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

یہ کتاب ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ مخطوطہ کے صفحات ۱۵۰ ہیں۔ مولانا کو ابتدا ہی سے صحافت اور عربی زبان وادب سے خاص شغف رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ عہد طالب علمی سے صحافت اور زبان وادب ان کی زندگی کا لازمی حصہ بن گئے۔ جہاں بھی گئے کسی نہ کسی مجلہ کی ادارت سرانجام دیتے رہے۔ باب رضویات میں ان کے عربی واردوزبانوں میں لکھے جانے والے مقالات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چند مقالات کی تفصیل حسب ذیل ہے ۱۹۹۶ء میں جامعہ امجدیہ گھوسی میں تحصیل علم کے دوران ''المجد د'' نام سے ہفتہ وار عربی جداریہ نکال کر اعلیٰ حضرت پر مضامین شائع کیے۔ اسی طرح ۱۹۹۹ء سے ۲۰۰۰ء تک جامعہ اشرفیہ میں طالب علمی کے دوران البیان اور الصحوۃ جاری کیے جس میں اعلی حضرت پر متعدد مضامین شائع کیے۔ ۲۰۰۱ء میں روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو کی جانب سے شائع ہونے والے خصوصی نمبر میں ''مجدد بریلوی اور ردحرکت زمین'' کے نام سے ایک خوبصورت مضمون شائع کیا۔ ۲۰۰۳ء میں پاکستان کے معروف رسالہ ''جہان

رضا'' میں ''امام احمد رضا: افکار عالیہ'' کے نام سے فکر انگیز مقالہ شائع کیا۔ ۲۰۰۶ء میں سہ ماہی امجدیہ گھوسی سے ''اعلیٰ حضرت اور علوم جدیدۃ'' کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا۔ اسی طرح ۲۰۱۸ء میں ماہنامہ کنز الایمان دہلی نے مولانا کے مضمون ''امام احمد رضا کے معاشی نکات'' کو شائع کیا۔

اس طرح دیکھا جائے تو رضویات کی توسیع وفروغ میں ان کی قلمی خدمات معاصر علما کے درمیان امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ موصوف تقریبا دو درجن کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں ہندوستانی مسلمان، نظام پردہ اور اسلام کا سماجی نظام نے ہندوستان کے اہل قلم سے زبردست خراج تحسین وصول کیا ہے۔

۱۱۔ امام احمد رضا قادری کا فقہی کمال فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم کے آئینے میں

یہ فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم پر ریسرچ کی ایک تھیسس ہے جسے راقم سطور نے جامعہ میں اشرفیہ مبارک پور میں شعبۂ اختصاص فی الفقہ میں قیام کے دوران ۲۰۰۸ء/ سے ۲۰۰۹ء کے درمیان لکھا تھا یہ فل اسکیپ سائز میں ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے فقہی کمال کو اجاگر کرنے کے لیے خود ان کے فتاویٰ جلد ہفتم سے مضبوط شواہد فراہم کیے گئے ہیں۔ اور ۱۲ عناوین کے تحت اس پر گفتگو کی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) مشکلات ومبہمات کی توضیح۔ فقہاے سلف کے کلام میں جہاں ابہام وخفا اور اشکال رہ گیا تھا اعلیٰ حضرت نے اس کی تبیین وتوضیح فرمائی ہے۔ (۲) مختلف اقوال میں ترجیح، اس باب میں اس کا بیان ہے کہ کس طرح اعلیٰ حضرت نے فقہاے اسلام کے اقوال مختلفہ میں بعض کو بعض پر ترجیح دی ہے۔ (۳) کثیر جزئیات کی فراہمی (۴) مراجع ومصادر کی کثرت (۵) تنقیح طلب مسائل کی توضیح (۶) فکر انگیز تحقیقات (۷) تخریج احادیث (۸) فقہاے متقدمین پر تطفلات (۹) مخالفین پر تعاقبات، (۱۰) غیر منصوص مسائل کے احکام کا استنباط (۱۱) علوم حدیث اور جرح وتعدیل میں مہارت (۱۲) اعلیٰ حضرت کے دنیاوی امور سے آگاہی۔ اسی جلد میں اعلیٰ حضرت کا مشہور رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدراہم بھی شامل ہے۔

یہ ایک خالص علمی اور تحقیقی کتاب ہے جو اہل فکر ونظر کے درمیان اعلیٰ حضرت کا قرار واقعی

علمی تعارف کراتی ہے۔ استاذ گرامی، خیر الاذکیا، حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہ، ناظم تعلیمات و سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی نظر ثانی اور تصحیح کے بعد کمپوزنگ کے مرحلہ سے گزر چکی ہے، جلد ہی فتاوٰی رضویہ کی دیگر جلدوں کے تعارف کے ساتھ مجلس برکات، مبارک پور سے طبع ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے۔ (گزشتہ سال یہ کتاب المجمع الاسلامی مبارک پور سے چھپ چکی ہے)

۱۲۔ امام احمد رضا قادری اور ان کا تفقہ في الدين

یہ راقم سطور کا ایک تحقیقی مقالہ ہے جو تقریبا ۱۱ رصفحات پر مشتمل ہے۔ یہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اختصاص فی الفقہ کے دوران ۲۰۰۸ء میں لکھا گیا تھا۔ اپنے موضوع پر جامع ہونے کے ساتھ اعلٰی حضرت قدس سرہ کا ایک سائنٹفک تعارف کراتا ہے اس میں اعلٰی حضرت کی مختصر سوانح کے ساتھ، تصنیف و تالیف، فقہی تبحر، فقہا کے مختلف اقوال میں تطبیق و توضیح، افضلیت سید الأنبیاء و افضلیت قرآن کا مسئلہ، ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو کا مسئلہ ان موضوعات پر گفتگو کے ذریعہ ان کے تفقہ في الدين کو اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ۲۰۰۹ء میں کاروان رئیس القلم دہلی کے سالانہ مجلہ میں شائع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ عظیم المرتبت داعی اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی

بیسویں صدی کے اندر عالمی سطح پر تبلیغ اسلام کا فریضہ سرانجام دینے والی شخصیت خلیفۂ اعلٰی حضرت مبلغ اسلام علامہ شاہ عبد العلیم صدیقی رحمۃ اللہ علیہ (۱۸۹۲ء۔ ۱۹۵۴ء) کی ہے۔ آپ اعلٰی حضرت کے معتمد اور منظور نظر تھے۔ آپ کو سفیر اسلام بھی کہا جاتا ہے۔ اسلامی دعوت کے میدان میں دور دور تک آپ کا کوئی شریک و سہیم نظر نہیں آتا ہے۔ تن تنہا اس زمانے میں جب ہوائی سفر کا انتظام نہیں تھا آبی جہاز اور دیگر وسائل نقل و حمل کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے دنیا کے ۴۰ سے زائد ملکوں کا سفر کر کے اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا تھا۔ ایک محتاط اندازہ کے مطابق آپ کی تبلیغی مساعی سے متاثر ہو کر ۵۰ ہزار سے زائد عوام و خواص حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انھیں کی دعوتی سرگرمیوں اور اسلام کی تبلیغ کے لیے کی جانے والی کوششوں سے دنیا کو واقف کرانے کے لیے راقم سطور نے ۲۰۱۱ء میں یہ تحقیقی مقالہ قلمبند کیا تھا جسے پڑھ کر ہزار ہا افراد نے ان کی

دعوتی کوششوں کا اعتراف کیا۔ بیسویں صدی میں پوری دنیا کے اندر کوئی بھی شخصیت دعوتی میدان میں ان کا ہم پلہ نظر نہیں آتی ہے۔ اس مقالہ کو پڑھنے کے بعد ہی یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اعلیٰ حضرت نے بیک وقت کتنے محاذوں پر مردم سازی کی اور کیسے کیسے جیالے پیدا کیے۔ ۲۰۱۱ء میں یہ مقالہ کاروان رئیس القلم نئی دہلی سے شائع ہو چکا ہے۔

۱۴۔ نیپال میں سلسلۂ قادریہ رضویہ نوریہ کی تنظیم

نیپال میں سلسلۂ قادریہ رضویہ کب اور کس طرح پہنچا، اس سلسلے نے یہاں کیسے فروغ پایا، کن مشائخ نے یہاں کام کیا؟ اس حوالے سے اب تک کوئی تاریخ مدون نہ ہوئی تھی، نہ کسی کتاب میں اس کا ذکر تھا۔ پہلی بار راقم سطور نے نیپال میں سلسلۂ رضویہ کے فروغ وتوسع اور ترویج کا جائزہ لیا ہے۔ اور اپنی کتاب ''نیپال میں اسلام کی تاریخ'' کے اندر ایک مستقل عنوان ''نیپال میں سلسلۂ قادریہ رضویہ کا فیضان'' رکھا اور ۱۰۱ صفحات میں ۳۱۷ سے لے کر ۴۱۸ تک اس سلسلہ سے وابستہ ۲۱ علما ومشائخ کا تعارف کرایا۔ اسے نیپال کے حوالے سے فروغ رضویات کا ایک اہم حصہ مانا جا سکتا ہے۔ اس میں نیپال میں حضور مفتیٔ اعظم ہند سے لے کر حضور تاج الشریعہ تک اور بہت سے خلفاے سلسلۂ رضویہ کی دعوتی واصلاحی سرگرمیوں سے واقف کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۵۔ رسالۂ تدبیر فلاح ونجات کی تعریب

۱۹۱۲ء میں اعلیٰ حضرت نے تدبیر فلاح ونجات کے نام سے اردو زبان میں ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس میں بہت ساری معاشی اصلاحات اور اسلام کے مضبوط اقتصادی نظام کے اہم نکات کی طرف توجہ دلائی تھی، اور مسلمانوں کے بے جا مقدمہ بازیوں میں پڑ کر اپنی معاشی توانائی کو ضائع کرنے سے بچانے پر زور دیا تھا۔ اس کا دوسرا اہم نکتہ یہ تھا کہ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد اور دکن کے صاحبان ثروت مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے اپنا بینک کھولیں۔ کتاب اپنے موضوع پر بے حد مفید ہے اس مختصر رسالہ کا ترجمہ نیپال کے ضلع سرلاہی سے تعلق رکھنے والے محقق عالم دین مولانا مبشر حسن مصباحی نے ۲۰۰۶ء میں عربی زبان میں کیا تھا۔ جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

۱۶۔الفضل الموھبی فی معنی إذا صح الحدیث فھو مذھبی کی تعریب

یہ کتاب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی بڑی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔اس میں آمین بالجھر، رفع الیدین قبل الرکوع وبعد الرکوع وغیرہ اَبحاث پر غیر مقلدین کے موقف کی زبردست تردید کی گئی ہے۔احناف کے موقف کو علمی اصولوں کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔اور یہ دکھایا گیا ہے کہ کس طرح احناف حدیث پر عامل ہیں اور حدیث صحیح ہی ان کا مذہب ہے۔مولانا مبشر حسن مصباحی نے اس کتاب کو عربی کا جامہ پہنایا ہے تاکہ عربی قارئین بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں۔ مولانا اس وقت جامعہ جواہر لعل نہرو نئی دہلی سے ''النزعة الإنسانية فی الرواية الفلسطينية'' کے موضوع پر عربی زبان میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ نیپال کے ضلع سرلاہی کے بست پور گاؤں سے ان کا تعلق ہے۔انگریزی سے عربی ترجمہ نگاری اور ترجمانی میں مہارت حاصل ہے۔

۱۷۔امام احمد رضا اور القاب نوازی

اس کتاب کے مصنف نوجوان عالم اور قلمکار مولانا عطاء النبی حسینی مصباحی ابن مولانا محمد اسماعیل حسینی چتر ویدی (پ ۱۹۸۸ء) ہیں۔نئی نسل کے عالموں میں متحرک اور فعال ہیں۔ضلع دھنوشا نیپال کی مردم خیز بستی ''بیلالا دو'' سے تعلق رکھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب رضویات میں ایک نئے باب کا تعارف ہے اور اضافہ بھی۔اس سے پہلے اس عنوان پر کوئی کتاب فقیر کی نگاہ سے نہ گذری، اس نئے موضوع پر مولانا حسینی نے ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ایک عمدہ کتاب تیار کی ہے جو تین ابواب کا احاطہ کرتی ہے۔ باب اول: مختصر تذکرہ القاب نواز، اس میں اعلیٰ حضرت کے سوانحی گوشوں کو بیان کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کے اکابر و معاصرین اور اخلاف نے انھیں کن کن القاب سے یاد کیا ہے۔ باب دوم: القاب یافتہ اکابر و معاصر۔اس باب میں اس کا بیان ہے کہ خود امام اہل سنت نے اپنے اکابر و معاصرین کو کن القاب و آداب کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔اس باب میں ۱۳ مشائخ کا تذکرہ شامل ہے۔ باب سوم: القاب یافتہ شاگردان وخلفا۔اس ضمن میں اعلیٰ حضرت کے ۳۲ تلامذہ و خلفا کا تذکرہ شامل ہے جن کو اعلیٰ حضرت نے ان کے اندر موجود نمایاں وصف کے سبب کسی لقب

سے متصف فرمایا ہے۔

جمع و ترتیب کا یہ کام بڑی عرق ریزی اور محنت سے کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پریس کے حوالے کی جا چکی ہے ان شاء اللہ جلد ہی طبع ہو کر باصرہ نواز ہونے والی ہے۔

۱۸۔ علم تفسیر میں امام احمد رضا قدس سرہ کی خدمات

یہ بھی مولانا عطاء النبی حسینی کی دوسری شاہکار تصنیف اور اپنے موضوع پر اولیات کا درجہ رکھتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بارے میں یہ کہنا بہت ہی مشکل امر ہے کہ آپ کو کسی ایک خاص علم یا فن میں ید طولی حاصل تھا، بلکہ ان کی کتاب زندگی کے ایک ایک ورق کو الٹ کر بنظر انصاف دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اعلیٰ حضرت کسی بھی علم سے صرف واقفیت ہی نہیں رکھتے بلکہ اس میں درجۂ امامت پر پہونچے ہوئے ہیں، خواہ وہ فن تفسیر ہی کیوں نہ ہو اور صرف یہی نہیں بلکہ اس فن کے امام کہلائے جانے والوں سے بھی دو قدم آگے چل کر اس علم کی انتہا پر پہنچ کر اس کے اماموں کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ گو کہ ان کا میدان فقہ تھا جس کی ضرورت امت کو ہر دور میں رہی ہے، مگر ان کے رہوار قلم نے علم وفن کے ہر میدان میں اپنا جوہر دکھایا ہے اور فن تفسیر میں تو وہ کمال کو پہونچے ہوئے ہیں۔ مصنف کتاب نے ابتدا میں حضور صدر الشریعہ کے حوالے سے اس کا اظہار کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت مستقل طور پر قرآن مجید کی تفسیر لکھنا چاہتے تھے۔ ۲۔ ۳ روز تک حضور صدر الشریعہ ان تفسیری نکات کو قلمبند کرتے رہے جس سے انھوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ تفسیر ضخیم دس بارہ جلدوں میں مکمل ہوگی، پھر طوالت کے اندیشہ سے اسے ملتوی کر دیا گیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ نے تفسیر پر کام نہیں کیا ہے۔ مصنف نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف میں جا بجا بکھرے تفسیری نکات اور روایات کو جمع کر کے فن تفسیر میں ان کی مہارت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس میں وہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت نے تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں پر تعلیقات یا حواشی لکھے یا کسی مخصوص آیت یا سورہ کی تفسیر کی لکھی۔ مصنف نے اس طرح کی ۱۷ کتابوں کو شمار کرایا ہے۔ ان میں الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ، حیات الموات فی سماع الأموات، نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، تفسیر سورۂ والضحیٰ اسّی جز میں ضخامت ۶۰۰ صفحات، تفسیر باء بسم اللہ، حاشیۂ تفسیر خازن، حاشیۂ درمنثور،

حاشیہ معالم التنزیل اور تفسیر سورۂ فاتحہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا حسینی نے اعلیٰ حضرت کی فن تفسیر میں انفرادیت کو ظاہر کرنے کے لیے علم الاعداد کے ذریعہ قرآن کی تفسیر کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔ یقیناً یہ کتاب اہل علم کے درمیان پذیرائی حاصل کرے گی۔ یہ پوری کتاب ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اسی سال رشد الایمان فاؤنڈیشن، سمندری (پاکستان) سے شائع ہو رہی ہے۔

۱۹۔ مختصر تذکرۂ مجدد اعظم

رضویات کے باب میں مولانا عطاء النبی حسینی زید مجدہ کی تیسری کتاب ''مختصر تذکرہ مجدد اعظم'' ہے یہ کتاب بھی رشد الایمان فاؤنڈیشن پاکستان سے شائع ہو رہی ہے۔ میں موصوف کو ان تین اہم کاوشوں کی تکمیل پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اور آئندہ بھی ان سے ایسے ہی کاموں کی توقع ہے۔ ساتھ ہی یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ کسی بھی تحقیقی کام کے حوالے سے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ ماضی میں اس موضوع پر کام ہوا ہے یا نہیں اگر ہوا ہے تو کس جہت سے جدید تحقیق کے نقطۂ نظر سے اس کا ذکر کر دینا ضروری سمجھا جاتا ہے تا کہ اس موضوع پر صاحب کتاب کی انفرادیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکے۔

۲۰۔ امام احمد رضا اور فقہاے سلف سے اختلاف

یہ کتاب پاکستان کے مشہور سنی عالم دین، عمدۃ المحققین علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے اور بڑی ہی معرکۃ الآراء ابحاث پر مشتمل ہے۔ کتاب کے کل صفحات کی تعداد ۴۲ ہے۔ اس پر نیپال کے ضلع دھنوشا سے تعلق رکھنے والے نوجوان عالم دین مولانا محمد اظہار النبی حسینی مصباحی کا گراں قدر تحشیہ اور تخریج ہے۔ جس سے اس کتاب کی ثقاہت، افادیت اور اہمیت میں چار چاند لگ گئے ہیں۔ یہ مولانا حسینی صاحب کا خالص علمی و تحقیقی کارنامہ ہے۔ اس کی کمپوزنگ مکمل ہو چکی ہے اور حضرت مولانا مفتی شمس الہدیٰ مصباحی، استاذ الجامعہ الاشرفیہ، مبارک پور کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد منتظر طباعت ہے۔

۲۱۔ امام احمد رضا اور سیرت نگاری

یہ رسالہ بھی مولانا حسینی کی تازہ کاوشوں میں سے ایک ہے۔ اپنے موضوع پر منفرد ہونے

کے سبب دل پذیر بھی ہے۔ اس میں تصانیف اعلیٰ حضرت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف گوشوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز اعلیٰ حضرت نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے موضوع پر جو مستقل رسالے لکھے ہیں ان کا بھی احسن تعارف کرایا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے سیرت کے گوشے پر جو رسالے لکھے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ) ۲۔ الأمن والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء (۱۳۱۱ھ) ۳۔ اجلال جبریل بجعله خادما للمحبوب الجمیل (۱۲۹۸ھ) ۴۔ انباء المصطفی بحال سر واخفی (۱۳۱۸ھ) ۵۔ زواھر الجنان من جواھر البیان (۱۲۹۷ھ) ۶۔ شمول الاسلام لأصول الرسول الکرام (۱۳۱۵ھ) مؤلف کتاب نے سیرت کے موضوع پر ۱۸ مستقل تصانیف اور تین حواشی کا ذکر کیا ہے۔ یہ رسالہ ۵۶ صفحات پر مشتمل اور غیر مطبوعہ ہے۔

۲۲۔ امام احمد رضا اور احترام اکابر

یہ بھی مولانا حسینی مصباحی کے ذوق انتخاب کا حسین شاہکار ہے گو کہ اس موضوع پر اس سے پہلے بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن موصوف نے سینکڑوں کتابوں میں منتشر ان شہ پاروں کو اپنے مقالے میں یکجا کر کے کم وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے والوں کے لیے بڑی آسانی پیدا کر دی ہے۔ یہ مقالہ بھی اپنے عنوان پر خوب ہے، گیارہ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۳۔ خواجہ غریب نواز اور امام احمد رضا

کم فہم اور سطحی نظر رکھنے والے بہت سے عوام وخواص اس مغالطہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ سلطان الہند، عطائے رسول خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے امام اہل سنت کا رشتۂ عقیدت مضبوط دکھائی نہیں دیتا ہے اگر ایسا ہوتا تو ان کی شان میں کوئی کتاب یا منقبت ضرور لکھتے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جس کا حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ مولانا اظہار النبی صاحب نے زیر نظر مقالہ میں انھیں مغالطوں کا جواب دینے اور ان کے مقدس روابط کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اعلیٰ حضرت یا دیگر مصنفین کی کتابوں سے حسن عقیدت اور اظہار محبت عیاں کرنے والے جملوں کو کشید کر کے ایک لڑی میں جمع کر دیا ہے۔ اس تحریر کو پڑھ کر یقیناً معاندین وحاسدین کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ بارگاہ غریب نواز میں متعدد بار اعلیٰ حضرت کی حاضری کو ثابت کیا ہے۔

یہ مقالہ کتابی سائز میں تقریبا ۸ صفحات پر مشتمل ہوگی۔اس موضوع پر کاروان رئیس القلم نئی دہلی کے خواجہ غریب نواز نمبر میں پروفیسر ضیاء الدین شمسی طہرانی ٹونکی کا محققانہ مضمون شائع ہو چکا ہے جس میں اس موضوع پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔یہ مجلہ راقم سطور کی ادارت میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ صدر الأفاضل ایک عظیم مصنف و مفکر،فکر رضا کی ترسیل میں اعلیٰ حضرت کا کردار کے عنوان سے مقالات لکھ کر رضا شناسی کا ثبوت پیش کیا ہے۔موصوف جہاں الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے ایک باصلاحیت استاذ ہیں وہیں آدھے درجن عربی رسائل و کتب کے مترجم بھی ہیں۔

از: محمد رضا قادری مصباحی

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

خادم: راہ سلوک سوشل ویلفیر سوسائٹی، نیپال

Email: salicraza73gmail.com

۵ رصفر المظفر ۱۴۴۰ھ/ ۱۵ر اکتوبر ۲۰۱۸ء

مفتیٔ اعظم نیپال، مفتی محمد اشرف القادری علیہ الرحمہ ایک جامع کمالات شخصیت

(۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲- ۲۶/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/ ۲۵/جنوری ۲۰۱۷ء)

مفتی محمد رضا قادری، مصباحی
استاذ: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

پس منظر: نیپال بر اعظم وسطی ایشیا کے جنوب میں دو عظیم ملکوں، ہندوستان اور چین کے بیچ کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع چاروں طرف سے خشکی سے گھرا ہوا قدرتی حسن و جمال، دلکش مناظر، دشت و کہسار اور وادی پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے جو شمال میں N 00 280 (اٹھائیس درجے، صفر دقیقہ) خط عرض (Latitude) اور مشرق میں E00840 (چوراسی درجے، صفر دقیقہ) خط طول (Longitude) کے درمیان واقع ہے۔(۱) اس کا رقبہ ایک لاکھ سینتالیس ہزار ایک سو اکیاسی (۱۴۷۱۸۱) مربع کیلو میٹر ہے(۲) اور دار الحکومت کاٹھمنڈو ہے۔ شمال کی طرف سے اس کی سرحد تبت سے ملتی ہے جو چین کے ماتحت ہے اور جنوب، مشرق و مغرب میں ہندوستان سے ملتی ہے۔ قدرتی طور پر یہاں کی زمین تین حصوں میں منقسم ہے، ہمالی، پہاڑی اور ترائی (میدانی)۔

نیپال دنیا کے نقشہ پر شروع ہی سے ایک منفرد ملک رہا ہے۔ اس کی تاریخ، شجاعت و بہادری اور حب الوطنی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کی تاریخ نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے، اتھر وید سے لے کر پران اور کوٹلیا کے ارتھ شاستر (۳) سے لے کر سمدر گپت الٰہ آباد کے کتبات تک سب میں نیپال کا ذکر آیا ہے۔ جہاں یہ سرزمین معدنیات و نباتات اور جڑی بوٹیاں پیدا کرنے کے لیے مشہور ہے وہیں اس سرزمین نے بڑے بڑے مذہبی پیشوا اور مصلحین پیدا کیے ہیں۔ سدھارتا گوتم بدھ، مہرشی بالمیکی، گوپیسوری، وپیسوی، گانڈا، کوتیک، کپل اور گارگی جیسے رشی منیوں کا تعلق نیپال ہی سے تھا۔(۴) نیپال عہد قدیم سے ہی ہندو اکثریت والا ملک رہا ہے

جہاں ہزاروں خداؤں کی پرستش اب بھی کی جاتی ہے، بلکہ دنیا میں یہ مندروں کے شہر سے متعارف ہے۔ ایک زمانہ تک یہ خالص کفرستان اور کفر وشرک کا مرکز رہا۔ لیکن فتح ہند کے بعد جب ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو اسلام کی کرنیں پڑوسی ملک نیپال پر بھی پڑنے لگیں، اور ہند میں مسلمانوں کے دور حکومت میں بہت سے مسلم مبلغین اور صوفیاے کرام نے دعوت و تبلیغ، ریاضت ومجاہدہ، اور یادالٰہی میں مستغرق رہنے کے لیے نیپال کے کہستانی علاقوں کو اپنا گوشۂ عزلت بنایا اور برسہا برس یہاں کے جنگلوں میں رہ کر ریاضت ومجاہدہ کیا۔ ان اولیاے کرام کے اَنفاس قدسیہ کی برکت سے یہاں کی ظلمت کافور ہوئی اور شمع اسلام فروزاں ہوا۔

تاریخ شاہد ہے کہ سید شاہ داتا گدا علی شاہ ایرانی ثم کاشغری، قدوۃ الواصلین سید احمد بدیع الدین حلبی طیفوری شامی قطب المدار (۲۴۲ھ-۸۳۸ھ)(۵) سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری (۶۶۱ھ- ۷۸۲ھ) شہباز ولایت حضرت مخدوم شعیب فردوسی، خلیفۂ مخدوم جہاں (۶۸۸ھ- ۸۲۴ھ)(۶) سلطانِ ہمدان، سید مخدوم احمدِ چرمپوش تیغ برہنہ ہمدانی، سہروردی (۶۵۷ھ- ۷۷۶ھ)(۷) شہنشاہ نیپال سید مسکین شاہ قادری، سہروردی، نقشبندی (م آٹھویں صدی ہجری)، (۸) سید شاہ غیاث الدین کشمیری خواہرزادہ سید مسکین شاہ سہروردی، مولانا شاہ خیرالدین کشمیری منعمی خلیفۂ مخدوم منعم پاک پٹنہ(۹) سے لے کر فخر العارفین سید شاہ فخر الدین اندرابی (م۱۲۹۶ھ) و سید شاہ قمر الدین اندرابی (۱۰) و سید السادات حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (۱۲۶۶ھ/ ۱۳۵۵ھ)(۱۱) علیہم الرحمۃ والرضوان تک ہر بزرگ نے اپنے اپنے عہد میں نیپال کو اپنی دعوت وتبلیغ، ریاضت ومجاہدہ کا مرکز بنایا اور اپنے وجود سے اس کو فیضیاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج نیپال میں ہر طرف اسلام کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ انھیں صوفیۂ اسلام کے سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی، عزۃ الاسلام، عمدۃ المحققین، زبدۃ العارفین، مفتیٔ اعظم نیپال، اشرف العلماء، حضرت مفتی محمد اشرف القادری النوري التيغي خلیفۂ حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری قدس سرھما تھے۔

اشرف العلماء، ملک نیپال کی ایک انتہائی عبقری شخصیت کا نام ہے۔ آپ ایک بلند پایہ محقق، تجربہ کار مصنف، کہنہ مشق مدرس، صاحب طرز ادیب، نازک خیال شاعر، فقہ حنفی کے

جزئیات پرعمیق نگاہ رکھنے والے مفتی، منطق وفلسفہ کے زلف برہم کو سنوارنے والے مُدَقِّق، اور بادہ خواران معرفت کو جام عرفان پلانے والے شیخ طریقت تھے۔

اشرف العلماء کی ولادت: آپ کی ولادت ہندو نیپال کی سرحد پرواقع ترائی نیپال کی مردم خیز بستی ''دنینھی''، ضلع مہوتری میں ایک اندازہ کے مطابق ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۲ء میں ہوئی۔ آپ کا خانوادہ شروع سے ہی معزز اور متمول رہا۔ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ، لالی میاں مرحوم، شجاعت وبہادری، حمیتِ دینی اور شوکت دنیوی کے ساتھ ۵۰ بیگھہ آراضی کے مالک تھے۔ گورکھا شاہی عہد میں تین بادشاہوں کے زمانہ میں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز رہے۔

تعلیم وتربیت: ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ متوسطات کی تعلیم مدرسہ رضویہ شمس العلوم باڑا، ضلع سیتامڑھی میں اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی عالم دین، سند الواصلین، برھان المتقین، شمس الاولیاء، حضرت مولانا شاہ شمس الحق علیہ الرحمہ (۱۹۳۳ء-۲۰۰۱ء) خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند سے حاصل کی۔

یہاں آپ کی مدت قیام تین سال رہی۔ اس کے بعد شمالی بہار کی عظیم درسگاہ الجامعۃ القادریہ، مقصود پور، مظفر پور تشریف لائے اور کامل تین سال رہ کر عالمیت تک کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ نے براہ راست، خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند، جامع معقولات ومنقولات حضرت شیر بہار مفتی محمد اسلم قادری نوری قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر بہت ہی انہماک کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کی۔ یہاں آپ کے رفقائے درس میں صوفیٔ باصفا حضرت مولانا محمد قمر عالم صاحب، شیخ الحدیث، دارالعلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی بھی شامل تھے۔ ھل من مزید کی پیاس نے درجات عالیہ کی تکمیل کے لیے، ۱۳۹۲ھ میں ہندوستان کی عظیم دانش گاہ، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور آنے پر مجبور کیا۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی دھمک سن کر ملک کے ہر کونے سے طلبہ کشاں کشاں چلے آرہے تھے اور بحمد اللہ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ یہاں آپ نے حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی، قدس سرہ سے جلالین شریف، حضرت قاضی شفیع احمد مبارک پوری سے ملاحسن اور شرح عقائد نسفی، محدث کبیر، حضرت علامہ ضیاء المصطفی قادری صاحب سے مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، اور میر زاہد، حضرت مولانا اسرار الحق صاحب سے ہدایہ پڑھی اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان

کی مجلسی گفتگو اور تقریروں سے استفادہ کیا۔ آپ کا شمار جامعہ اشرفیہ کے قابل فخر فرزندوں میں ہوتا ہے۔ مکمل ایک سال تک آپ نے خرمن حافظ ملت سے خوشہ چینی کی۔

جامعہ اشرفیہ کے دور طالب علمی کا ایک یادگار مشقی مناظرہ: آپ کی ذکاوت و فطانت اساتذہ کے درمیان مشہور تھی۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت سے آپ نے اساتذہ کے دلوں میں اپنے لیے جلد ہی جگہ بنالی۔ کاتب سطور سے آپ کے صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا محمد صدر عالم تیغی نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد اشرف العلماء نے بیان کیا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اشرف العلماء کے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی قادری نے اپنی نگرانی میں مناظر اہلسنت حضرت مفتی عبد المنان کلیمی صاحب (مفتیٔ شہر مراد آباد) اور مفتی اشرف القادری علیہ الرحمہ کے درمیان سنی و دیوبندی کے درمیان مابہ النزاع مسئلہ ''سرکار کا علم غیب'' کلی ہے یا جزئی پر ایک مناظرہ کروایا۔ دیوبندی مسلک کے نمائندہ کے طور پر مفتی عبد المنان کلیمی صاحب کا انتخاب ہوا، جب کہ سنی موقف کی نمائندگی اشرف القادری علیہ الرحمہ کے ذمہ تھی۔ مباحثہ کا یہ سلسلہ اتنا طول پکڑ گیا کہ قصبہ کے بعض دیوبندیوں کو اس کی خبر لگ گئی اور وہ اس مناظرہ کو سننے کے لیے جامعہ میں آ بھی گئے۔ بعدہ حضرت محدث کبیر نے مناظرہ ختم کر دینے کا اعلان کیا۔ اس مناظرہ کے ایک عینی شاہد حضرت مفتی محمود اختر قادری، ممبئ بھی ہیں۔

جامعہ اشرفیہ کی تعلیم کے زمانہ میں ہی آپ نے جامع معقولات ومنقولات حضرت علامہ معین الدین خان فتح پوری علیہ الرحمہ کا علمی شہرہ سنا تھا، جو اس وقت جامعہ عربیہ سلطان پور کے شیخ الحدیث تھے اور وہاں جانے کا قصد کر لیا۔ بقول مولانا محمد صدر عالم عن ابیہ۔ جب حضور حافظ ملت کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا: بیٹا! تم یہیں محنت سے پڑھو۔ میں تمھیں جامعہ از ہر مصر بھیج دوں گا اور جب پڑھ کر آؤ گے تو یہیں جامعہ اشرفیہ میں پڑھانے کے لیے رکھوں گا۔ لیکن آپ کے سر میں ایک ہی سودا سمایا ہوا تھا کہ علامہ معین الدین خان سے پڑھنا ہے۔ کچھ خانگی معذرت کے ساتھ حضور حافظ ملت سے سلطان پور جانے کی اجازت لی۔ اور وہاں ۲-۳ سال رہ کر کسب علم کیا۔ علامہ معین الدین خان فتح پوری اعظمی سے جو اس زمانہ میں یکتائے روزگا تھے بخاری شریف کا درس لیا اور امام المنطق والکلام خواجۂ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، پرنوی علیھما

الرحمہ سے بیضاوی شریف وغیرہ پڑھی۔ ماہ شعبان ۱۳۹۴ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

رفقاے درس: یہ پتہ لگانا مشکل امر ہے کہ کون لوگ آپ کے رفقاے درس تھے البتہ چند مشاہیر علما کے نام یہ ہیں:

۱-حضرت مولانا محمد قمر عالم صاحب شیخ الحدیث، دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، یوپی۔ آپ مقصود پور میں ساتھ رہے۔

۲-شہزادۂ حضور حافظ ملت، مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ، سربراہ اعلی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۳-حضرت مولانا سید اصغر امام قادری امجھری، پرنسپل مدرسہ فاروقیہ، بنارس

۴-مولانا مفتی حافظ معین الدین اشرفی، سنبھلی

۵-مولانا نور عالم مصباحی، سابق صدر المدرسین، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، جھارکھنڈ۔

مذکورہ بالا حضرات مبارک پور میں آپ کے رفقاے درس رہے۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد آپ کی تقرری بحیثیت مدرس، نیپال کی ایک معروف دینی درس گاہ، مدرسہ اصلاح المسلمین بھمر پورہ، ضلع مہوتری میں ہوئی، جہاں آپ نے از ابتدا تا عالمیت، مشکوٰۃ و ہدایہ وجلالین کا درس دیا۔ تشنگان علوم کو سیراب کیا، پھر دارالعلوم قادریہ رشیدیہ جلیشور، مہوتری میں بحیثیت پرنسپل و مفتئ دار الافتاء، برسہا برس تک کام کیا، اس کے بعد صدر المدرسین و مفتی کی حیثیت سے شمالی بہار کی بافیض درس گاہ، جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف (ضلع مظفر پور) میں ۱۴۱۶ھ تک قرآن وحدیث، فقہ وتفسیر، منطق وکلام کا درس دیا۔ اسی زریں عہد میں آپ نے تصنیف وتالیف کا بیش تر کام کیا۔ اس ادارہ کے بانی آپ کے مرشد اجازت حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

بیعت وخلافت: مدرسہ رضویہ شمس العلوم میں طالب علمی کے زمانہ میں مدرسہ رضاء العلوم کنہواں (ضلع سیتا مڑھی) میں ۱۳۸۹ھ میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے تاج دار اہل سنت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ تشریف لائے تھے، وہیں آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک دن

میں ۱۳ ؍بار آپ کو اپنے مرشد کے ہاتھ پر تجدید بیعت کا شرف حاصل ہے۔ ۷؍ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ میں جلالۃ الارشاد، حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری، خلیفۂ سرکار سرکانہی نے سلسلۂ عالیہ قادریہ، آبادانیہ، تیغیہ کی اجازت وخلافت مرحمت فرمائی۔ ۱۴۰۹ھ میں جلالۃ الارشاد کے حکم سے دوبارہ دارالعلوم قادریہ رشیدیہ جلیشور کو رونق بخشی اور سالہا سال تک، علم وادب سے پورے خطہ کو سیراب کیا۔ ادارہ کو عروج وارتقا کی منزل تک پہنچایا۔ ۱۴۳۰ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

امانت شرعیہ وخانقاہ قادریہ تیغیہ کا قیام: دارالعلوم رشیدیہ سے مستعفی ہونے کے بعد آپ نے اپنے وطن مالوف میں امانت شرعیہ کے نام سے ایک دارالافتاء والقضاء قائم کیا، جہاں سے ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے سوالات کے جوابات دیے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تصوف وطریقت کی تعلیم کو عام کرنے اور سلسلے کی توسیع کے لیے خانقاہ بھی قائم کی۔ آپ کی یہ مختصر خانقاہ، تصنیف وتالیف، رشد وہدایت اور ذکر وفکر سب کی مرقع ہے۔ راقم سطور کے استفسار پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر ابھی تک ۵۰۰۰ کے قریب لوگ داخل سلسلہ ہو چکے ہیں۔ مختلف علاقوں میں آپ کا دعوتی وروحانی سفر ہوتا رہتا تھا۔

تصنیفی خدمات: اشرف العلماء کو اللہ تعالیٰ نے قلم سیال کی زبردست قوت سے نوازا تھا جس موضوع پر بھی لکھا خوب لکھا۔ آپ کی تحریر میں موضوعات وافکار کا تنوع، بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ شعروادب، سیرت وسوانح، منطق وفلسفہ، تفسیر، درس نظامی کی بہت سی ادق کتابوں پر حاشیہ نگاری اور فقہ وفتاوٰی جیسے موضوعات پر ۶۰ سے زائد کتابیں، آپ کی وسعت علمی، فقہی تبحر، ژرف نگاہی اور دقیقہ سنجی پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب کی فہرست ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) کفر اور اسلام، مطبوعہ (۲) مسلک محققین، مطبوعہ (۳) فکر بلند، مطبوعہ (۴) حجاز کا ماہ کامل، مطبوعہ (۵) الشرح النوري بشرح عقائد النسفي، مطبوعہ (۶) عشق رسول (شعری مجموعہ)، مطبوعہ (۷) اصول فقہ، غیر مطبوعہ (۸) فلسفہ، غیر، مطبوعہ (۹) مناظرۂ رشیدیہ کا خلاصہ، غیر مطبوعہ (۱۰) بریلی اور بریلویت، غیر مطبوعہ (۱۱) الحجۃ القاہرہ، مطبوعہ (۱۲) مصباح الدجیٰ، مطبوعہ (۱۳) ردغیر

مقلدیت، مطبوعہ (۱۴) ردشیعہ، رافضی، غیر مطبوعہ (۱۵) محفل میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، غیر مطبوعہ (۱۶) النبی المختار (عربی)، غیر مطبوعہ (۱۷) الآدب المختار (عربی)، غیر مطبوعہ (۱۸) شرح قافیہ، نصف، غیر مطبوعہ (۱۹) روشن چراغ کشمیر، غیر مطبوعہ (۲۰) سیرت خلیفہ اللہ الأعظم، مطبوعہ (۲۱) العلم والعقل، مطبوعہ (۲۲) الامام الاعظم، غیر مطبوعہ (۲۳) فتاوٰی امانت شرعیہ نیپال، غیر مطبوعہ (۲۴) اسلام اور قومیت، غیر مطبوعہ (۲۵) مصطلحات حدیث، غیر مطبوعہ (۲۶) گنگوہی کا عجائب خانہ، غیر مطبوعہ (۲۷) رسالہ سراپا رحمت عالم، غیر مطبوعہ (۲۸) شذرات الذہب، غیر مطبوعہ (۲۹) المختارات، غیر مطبوعہ (۳۰) ترجمہ التعریفات الجرجانیہ، غیر مطبوعہ (۳۱) الفیض السماوي علی البیضاوي سورۃ البقرہ مکمل (اردو زبان میں بیضاوی شریف کی شرح فل اسکیپ سائز میں تقریباً ۱۲۰۰ صفحات پر)، غیر مطبوعہ (۳۲) مجدد الف ثانی وامام احمد رضا (۳۳) صدر امت، غیر مطبوعہ۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں آپ کے رشحات قلم سے وجود میں آئیں۔

حضرت اشرف العلماء نے ربیع الاول ۱۴۳۷ھ کو راقم سطور کو اپنے فتاوٰی کے کئی رجسٹر اور مخطوطات معاینہ کرائے اور فرمایا: تقریباً ایک ہزار سے زائد فتاوٰی ہم نے لکھے ہیں، عنقریب ان شاء اللہ ان کو شائع کیا جاے گا۔ میں اپنے ناقص مطالعہ اور مشاہدہ کی روشنی میں اگر یہ کہوں کہ مفتی اشرف القادری قدس سرہ اس وقت نیپال کی سب سے زیادہ کتابیں لکھنے والی شخصیت کا نام ہے تو یہ مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔ آج اگر چہ ان کی ذات اور خدمات دینیہ کا کما حقہ اعتراف نہیں کیا جا رہا ہے لیکن آنے والے دنوں میں ان کی ذات، اہل علم وقلم اور ارباب فکر وتحقیق کا مرکز ہوگی اور ان کو قرار واقعی خراج عقیدت پیش کیا جاے گا۔ میں ذاتی طور پر ان کی بے نفسی، منکسر المزاجی، خلوت پسندی اور شہرت وتصنع اور ریا سے دوری کے سبب کافی متاثر ہوا، میری نگاہ میں اس وقت وہ ملک نیپال کی سب سے قدآور علمی شخصیت تھے، جنھوں نے تن تنہا کنج خمولی میں بیٹھ کر اسباب ووسائل کی پروا کیے بغیر عشق جنون خیر کے سہارے اتنا بڑا علمی وتصنیفی کام کر دیا کہ نیپال کی آنے والی نسلیں ان پر فخر کرتی رہیں گی۔

مناظرہ اور رد بدمذہباں: آپ جہاں ایک عظیم فقیہ تھے وہیں بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ بڑے منطقی اور فلسفی تھے۔ آپ کے معقولی ہونے پر آپ کی کتاب العلم والعقل شاہد ہے۔ جب آپ

فارغ ہوکر تشریف لائے تو علاقہ میں بالخصوص بہار کے بہت سے علاقوں میں وہابیت و دیوبندیت پنپ رہی تھی۔ آپ کو جہاں بھی معلوم ہوا آگے بڑھ کر ان فتنوں کی بھرپور سرکوبی کی۔

اسمدیبا، جھارکھنڈ کا مناظرہ: مولانا محمد صدر عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد اشرف العلماء نے مجھ سے جھارکھنڈ کے مناظرہ کی روداد اس طرح بیان کی۔

آج سے ۲۲ سال قبل جھارکھنڈ میں واقع اسمدیبا (asimdeba) نام کی بستی میں سنیوں اور دیوبندیوں کے درمیان ایک مناظرہ رکھا گیا۔ اس مناظرہ کی سرپرستی سنیوں کی طرف سے میرے مرشد اجازت خلیفۂ حضرت شاہ تیغ علی قدس سرہ حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قدس سرہ فرما رہے تھے۔ علما میں بلبل بنگال مولانا قمرالدین نعیمی بھی موجود تھے۔ دیوبندی علما بڑی تعداد میں جمع ہوئے میرے مناظرہ گاہ میں پہنچنے کے بعد سارے دیوبندی علما ایک ایک کر کے بھاگ گئے۔ کسی کو میدان مناظرہ میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ صوفی شاہ نمازی کو دیکھ کر وہ لوگ اور بھی مرعوب ہوئے۔ اس گاؤں کے دیوبندیت زدہ لوگوں نے سرکار شاہ نمازی کے دست اقدس پر توبہ کیا اور مرید ہوکر اہل سنت و جماعت میں داخل ہو گئے۔ اور فتح کی یادگار کے طور پر ہم لوگوں نے مدرسہ فیض الرضا کی بنیاد رکھی۔

موتیہاری، بہار میں سلفیوں سے مناظرہ: راقم سطور سے مولانا صدر عالم نے بیان کیا جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں کہ آج سے ایک سال قبل کی بات ہے۔ رانی گنج، پٹھان ٹولی، موتیہاری میں ۷۰۰ گھر کی مسلم آبادی ہے۔ اس کے سارے لوگ پہلے سنی ہی تھے۔ چند دہائیوں سے وہابی مولویوں کی دعوت سے متاثر ہوکر بہت سے افراد بلکہ تقریباً پورا ہی گاؤں وہابیت زدہ ہوگیا تھا۔ کافی سالوں پہلے مولانا محمد اسلم صاحب امجدی ساکن رانی گنج، پٹھان ٹولی، ضلع موتیہاری کے والد جو، ان دنوں وہابیت سے متاثر تھے بیمار پڑ گئے اور تعویذ لینے کے لیے اشرف العلماء کی بارگاہ میں آئے۔ حضرت نے فرمایا: تعویذ اس شرط پر دوں گا کہ ٹھیک ہوجانے کے بعد سنی بن جاؤ گے۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اللہ کے فضل سے وہ ٹھیک ہوگئے اور سنی بن گئے۔ اشرف القادری علیہ الرحمہ نے ان کے صاحبزادہ مولانا اسلم صاحب امجدی کو پہلے جامعہ غوثیہ احسن البرکات، کاٹھمنڈو پھر جامعہ امجدیہ گھوسی بھیج دیا۔ وہ وہاں سے فارغ ہوکر گھر آئے۔ انھوں

نے حق و باطل کے امتیاز کے لیے گاؤں میں ایک پروگرام رکھا اور اشرف العلماء کو مدعو کیا۔ ساتھ ہی وہابی مولویوں کو بھی ماحول کے اعتبار سے دعوت دینی پڑی۔ آپ نے شرط رکھی کہ وہابی مولوی اگر آئے گا تو تقریر نہیں کرسکتا۔ اسٹیج پر دونوں طرف کے علما پہنچے۔ ایک بڑے وہابی مولوی نے اصرار کیا کہ مجھے بھی بولنے دیا جائے۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے بولو اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے۔ اس کی ایک ایک غلطی کو نوٹ کرتے رہے۔ جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو آپ کھڑے ہوئے اور گاؤں کے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: اہل پٹھان ٹولی بتاؤ آپ کے آبا و اجداد بیٹھ کر سلام پڑھتے تھے یا کھڑے ہو کر سب نے بیک زبان کہا کھڑے ہو کر۔ آپ نے کہا اب بیٹھ کر کیوں پڑھتے ہو؟ تو لوگوں نے جواب دیا جب سے یہ نئے نئے مولوی پڑھ کر آئے ہیں نئے نئے قانون نکالتے چلے جا رہے ہیں۔

وہابی مولوی نے تقریر میں کہا تھا: قرآن نے ماں باپ کے حقوق بیان کیے ہیں، باپ کا حق ۲۵٪ ماں کا حق ۷۵٪ ہے آپ نے اس کا رد بلیغ کیا اور کہا: لوگوں یہ قرآن و حدیث کی بولی نہیں ہے بلکہ یہ اس مولوی کی اپنی ایجاد ہے۔ راوی محمد صدر عالم کہتے ہیں کہ اس کے بعد اشرف العلما نے اتنے زوردار انداز میں کھینچ کر اس وہابی مولوی کو تھپڑ رسید کیا کہ وہ اسٹیج سے نیچے گر پڑا۔ مجمع پر ہیبت طاری ہوگئی۔ آپ کی جلالت علمی اور رعب فاروقی کو دیکھ کر ایک ایک مولوی اسٹیج کے پیچھے سے بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر گرجدار انداز میں للکارتے ہوئے ان وہابیوں کے گندے اور کفری عقائد کو عوام کے سامنے رکھا۔ آپ کی تقریر و تبلیغ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ پوری آبادی سنیت میں بدل گئی۔ سب نے صلوٰۃ و سلام پڑھا۔ جب روانہ ہونے لگے تو ان لوگوں نے مولانا صدر عالم سے درخواست کی، حضرت کو روک لیجیے ہم لوگ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے اصرار پر ایک دن اور آپ نے وہاں قیام کیا۔ وہ پوری آبادی آپ کے دست اقدس پر مرید ہوگئی۔ اس گاؤں کے سب سے بڑے زمیندار جو پچاس بیگھہ زمین کے مالک ہیں وہ بھی آپ کے ہاتھ پر مرید ہوئے۔ چھ ماہ بعد آپ نے دوبارہ وہاں کا سفر کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام دار العلوم امام احمد رضا رکھا۔

اصلاح وارشاد: اللہ تعالی نے انھیں جتنی زندگی بخشی تھی اس کو انھوں نے کام میں لگا دیا۔ تصنیفی،

تالیفی اور تدریسی مصروفیات خود اپنی جگہ بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں، اس کے باوجود وہ قوم مسلم کی رہنمائی، وعظ ونصیحت اور سلسلۂ قادریہ تیغیہ کی توسیع کے لیے ہمیشہ مصروف سفر رہے۔ کاٹھمنڈو، دھنگڑہی، اٹھری، دھران، لہان، جنکپور، اور مہیندر نگر جیسے نیپال کے بہت سے شہر و دیہات کا آپ نے دورہ کیا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں آسنسول، بردوان، رانچی، کلکتہ، ممبی، دہلی، لدھیانہ، بنگلور، اور کیرلا آپ کی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کے اہم مراکز رہے ہیں۔ ان میں بیشتر مقامات پر آپ کے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔

اتحاد ملت کانفرنس، کاٹھمنڈو کی صدارت: مولانا صدر عالم صاحب، خلف اکبر اشرف العلماء کا بیان ہے کہ آج سے ۷ سال پیش تر کاٹھمنڈو کی سرزمین پر ایک عظیم الشان اتحاد ملت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ اس کانفرنس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کو براہ راست ٹیلی ویژن چینلز کے ذریعہ پوری دنیا میں نشر کیا گیا تھا۔ مقرر خصوصی کی حیثیت سے غازی ملت، سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی اور مہمان خصوصی کے طور پر شہزادۂ حضور حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ دامت برکاتھم العالیہ، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور موجود تھے۔ اس جلسہ میں ایک تخمینہ کے مطابق کئی لاکھ لوگوں نے شرکت کی تھی۔ ۶۲ لاکھ روپے اس پر خرچ کیے گئے تھے۔ اس کانفرنس کی صدارت کا مسئلہ سب سے مشکل تھا۔ منتظمین جلسہ کی رائے ہوئی اس جلسہ کی صدارت وہ کرے گا جو نیپال کا سب سے بڑا عالم ہوگا۔ ایک عظیم شخصیت کی طرف بعض لوگوں کی نظر انتخاب اٹھی، پھر سید سلیم شاہ کشمیری نے کہا: اگر ان سے بھی کوئی بڑا عالم مل جائے تو ان کو کون سا عہدہ دیا جائے گا۔ سب نے کہا ان کو عہدۂ صدارت پیش کیا جائے گا۔ پھر انھوں نے آپ کے نام کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کی علمی وقلمی خدمات پورے نیپال کے علما میں سب سے زیادہ ہیں۔ سارے لوگوں نے آپ کو صدر جلسہ بنانے پر اتفاق کرلیا۔ اور آپ ہی کی صدارت میں یہ تاریخی جلسہ انجام خیر تک پہنچا۔

اشرف العلماء، اکابر اہل سنت کی نظر میں

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ کی نگاہ میں:

اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملتی کہ آپ نے حضور حافظ ملت سے کوئی کتاب پڑھی یا نہیں تاہم یہ ضرور ہے کہ آپ ان کی مجلسی گفتگو سے خوب استفادہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور

حافظ ملت بھی انھیں خوب چاہتے تھے۔ ان کی ذہانت و فطانت کو دیکھ کر ایک بار حضور حافظ ملت نے ارشاد فرمایا تھا: بیٹا میں تمھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے مصر بھیج دوں گا۔ اور جب وہاں سے پڑھ کر آؤ گے تو اپنے مدرسہ کا مدرس بناؤں گا۔

مولانا صدر عالم نے بیان فرمایا: ثقہ لوگوں سے سنا گیا ہے کہ ایک بار حضور حافظ ملت نے طلبہ کی جماعت سے پیشانی کی تعریف پوچھی تھی۔ سب نے الگ الگ اپنے انداز میں جواب دیا۔ ان میں سب سے عمدہ جواب آپ کا تھا۔

حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہ کی نظر میں: آپ نے حضرت بحر العلوم سے زمانۂ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی وقت سے ان کی نگاہ میں اتنے مقبول ہو گئے تھے کہ ان کا نقش عمر بھر ان کے لوح ذہن پر مرتسم رہا۔ مولانا صدر عالم صاحب کا بیان ہے کہ میرے زمانۂ طالب علمی میں والد گرامی مدرسہ شمس العلوم تشریف لائے۔ حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ کافی کمزور تھے اور چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اشرف العلماء ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جونہی ان کے چہرہ پر نگاہ پڑی حضرت بحر العلوم کھڑے ہو گئے اور سلام و مصافحہ کے بعد ان کو باصرار اپنے بغل میں بٹھالیا۔ اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ بحر العلوم کی نگاہ میں آپ کی کیا شان تھی۔

مولانا صدر عالم صاحب کا بیان ہے کہ ایک بار مدرسہ قادریہ رشیدیہ، جلیشور، نیپال کے لیے ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ مدرس کے لیے ایک ذمہ دار شخص حضرت بحر العلوم کی بارگاہ میں گھوسی پہنچے اور مدعی پیش کیا۔ آپ نے پوچھا اس سے پہلے کون وہاں صدر المدرسین تھے؟ انھوں نے کہا مفتی اشرف القادری۔ آپ نے فرمایا وہی اشرف القادری جو مہوتری نیپال کے ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا انھوں نے وہاں سے کیوں استعفی دیا؟ انھیں کو دوبارہ وہاں بلاؤ میں ان کے جیسا مدرس تمھیں نہیں دے سکتا۔

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، سابق صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی نگاہ میں: جامعہ اشرفیہ کے طالب علمی کے زمانہ میں حضرت محدث کبیر دام ظلہ العالی کا بحیثیت مناظر سنی مسلک کے نمائندہ کے طور پر آپ کا انتخاب کرنا یہ اس بات کو بتاتا ہے

کہ آپ کی علمی استعداد، حاضر جوابی، دقیقہ سنجی، اور غیر معمولی ذکاوت و فطانت سے وہ مطمئن تھے۔اور آپ ان کی نگاہ میں کامل تھے۔جبھی تو انھوں نے بحیثیت مناظر آپ کا انتخاب کیا۔

خلیفۂ مفتیٔ اعظم ہند حضرت شیر بہار، مفتی محمد اسلم قادری نوری قدس سرہ کی نظر میں: شیر بہار، آپ کے درجات متوسطات کے استاذ تھے۔اور عمر میں بھی بہت بڑے تھے۔لیکن ایک استاذ اگر اپنے شاگرد کو اعلیٰ القاب و آداب کے ساتھ یاد کرے تو یہ یقیناً بہت بڑے شرف کی بات ہے۔مولانا صدر عالم تیغی کا بیان ہے کہ حضرت شیر بہار جب بھی اشرف العلماء کا تذکرہ کرتے تو فرماتے حضور اشرف العلماء۔حضور کے لفظ سے آپ کو یاد فرماتے۔

الشرح النوري بشرح عقائد النسفي پر تقریظ لکھتے ہوئے اس انداز میں آپ ان کی گونا گوں خوبیوں کا تذکرہ فرماتے ہیں:

چونکہ شارح موصوف کی علمی نشو ونما میں جامعہ قادریہ مقصود پور کا دخل ہے اور میں نے جامعہ کے ابتدائی دور میں ان کے اندر جو علمی مذاق پیدا کرنے کی سعی کی تھی۔بحمد اللہ تعالیٰ اس کی نشانیاں، ان کی گونا گوں صلاحیتوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔اور انھوں نے نیپال کی سرزمین پر ایک کہنہ مشق مدرس، تجربہ کار مصنف اور ایک عظیم مفتی و قاضی کی حیثیت سے اپنی خوبصورت شناخت قائم کر لی ہے۔

وہ ایک اچھے شاعر اور پیر طریقت بھی ہیں۔میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ ان کا فکری وفنی اثاثہ ضرور آنے والی نسلوں کے لیے چراغِ راہِ منزل ثابت ہوگا"۔مولانا صدر عالم صاحب کا بیان ہے کہ حضرت شیر بہار نے الشرح النوري دیکھنے کے بعد فرمایا تھا: یہ امانت شرعیہ ہے اور علامہ مفتی اشرف القادری امین شریعت ہیں عقائد کے اعتبار سے اور اعمال کے اعتبار سے بھی۔

خیر الأذکیاء، عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی سابق صدر المدرسین، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کی نگاہ میں: اشرف العلما کی ایک عمدہ کتاب "حجاز کا ماہ کامل" جو عمدہ ادبی اسلوب میں شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کرتی ہے۔اس پر تقریظ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

زیر نظر کتاب متعدد مقامات سے دیکھی۔مولانا اشرف القادری نے عشق رسالت کی شمع دلوں میں فروزاں کرنے کی کوشش کی ہے۔انداز بیان کی دلکشی، اشعار کی اثر آفرینی، اقوال علما

سے تائیدات کی فراہمی یہ ساری باتیں اس مقصد جمیل کی تحصیل میں محترم مؤلف کی مساعی حسنہ کو کامیاب بناتی ہے۔(حجاز کا ماہ کامل، ص ۳۔ مرقومہ ۱۷ر صفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۸ر۱۷ر ستمبر ۱۹۸۹ء)

شیر نیپال حضرت مفتی محمد جیش برکاتی، سابق شیخ الحدیث: الجامعۃ الحنفیۃ الغوثیہ، جنک پور کی نظر میں: اشرف العلماء اور شیر نیپال کے درمیان علمی روابط اچھے تھے۔ بہت سے مسائل میں ان کا اتفاق بھی ہوتا اور کسی میں اختلاف بھی۔ اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے وقار منصبی کا خوب خیال رکھتے تھے۔ مولانا صدر عالم تیغی زید مجدہ نے مجھ سے بیان کیا کہ روضہ شریف میں عرس اولیاے نیپال کے ایک جلسہ میں مفتی اشرف القادری کی تقریر کے بعد شیر نیپال صاحب نے کھڑے ہو کر بیان فرمایا: مفتی اشرف القادری کو سرکار مفتی اعظم ہند نے اپنی نگاہوں سے پلا دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا واقعہ: مولانا صدر عالم صاحب زید مجدہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اشرف العلماء کی نماز جنازہ سے ایک دن قبل جمعرات کو حضرت شیر نیپال، اشرف العلماء کے گھر والوں کو تعزیت پیش فرما کر کبلا سا، نیپال کی ایک محفل میلاد میں تشریف لے گئے۔ کبلا سا سے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آنے والے لوگوں کا بیان ہے کہ شیر نیپال دام ظلہ نے لوگوں سے بیان فرمایا: نیپال کے سب سے بڑے عالم فوت ہو گئے۔ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کیجیے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

اشرف العلماء اور شاعری: یہ اشرف العلماء کی امتیازی شان ہے کہ بیک وقت آپ کا قلم سیال نثر و نظم دونوں میدانوں میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنے افکار کی ترسیل، سوز دل، جذب دروں اور لطیف خیالات کے اظہار کے لیے شعر و سخن کا راستہ اختیار کیا۔ جان جاناں کا جب بھی خیال آیا تو آپ کے پاکیزہ اور ستھرے خیالات شعری قالب میں ڈھلتے چلے گئے۔ آپ نے نعتیہ، غزلیہ، مدحیہ ہر صنف سخن میں شاعری کی ہے۔ رباعی و قطعات بھی لکھے ہیں۔ آپ کی شاعری تمام تر فنی لطافتوں کے ساتھ شرعی نزاکتوں کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ تلمیح و ترشیح، اور استعارہ و تشبیہات کا انوکھا استعمال آپ کے کلام میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ چند اشعا بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

جمال روے محبوبی کی آخر انتہا کیا ہے کسے معلوم کہ شانِ رخِ شمس الضحیٰ کیا ہے

برستی ہے سحاب نور بن کر کشتِ ظلمت پر　　تعالیٰ اللہ گیسوے محمد کی گھٹا کیا ہے
بلال و بوذر وسلمان وحیدر سے کوئی پوچھے　　ترے عشاق کا دنیا میں انداز وفا کیا ہے
جسے نیند آ گئی اشرف شہ عربی کے دامن میں　　اسے کیا فکر کہ ہنگامۂ روز جزا کیا ہے

ہے تجھی سے اس کا سکون دل ہے تجھی سے اس کا قرار جاں
ترے ناوک نرگس ناز نے جسے بے قرار بنا دیا

ایک جگہ لکھتے ہیں:

ترا آستانِ بلند ہی تری برتری کا ثبوت ہے
تری چشم مہر جدھر اٹھی اسے تاجدار بنا دیا
(عشق کی محفل ص ۵-۸)

امانت شرعیہ خانقاہ قادریہ میں جہاں آپ کی نشست باہر لگائی جاتی تھی آپ نے اس نشست کے اوپر ایک شعر لکھوایا تھا جو میرے حافظہ میں آج بھی محفوظ ہے۔

میری آنکھوں میں ان کے عارض انور کا جلوہ ہے
نظارہ کر رہا ہوں نیتھی سے روے جاناں کا

اس شعر سے ذات رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں آپ کی فنائیت اور قلبی وارفتگی کا پتہ چلتا ہے۔
آپ کا ایک شعری مجموعہ ''عشق کی محفل'' طبع ہو کر شائقین فن سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

دور طالب علمی کا ایک حیرت انگیز واقعہ: جس زمانے میں آپ مقصود پور میں زیر تعلیم تھے امتحان کے لیے مفتیٔ اعظم کانپور، حضرت مفتی رفاقت حسین اشرفی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور مفتی اشرف القادری علیہ الرحمہ کی جماعت کے طلبہ کا امتحان لیا۔ مولانا صدر عالم کا بیان ہے کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا۔

میں نے صحیح طور پر عبارت پڑھی، مگر حضرت مفتیٔ اعظم کانپور نے دوسرا اعراب بتایا اور میرے پڑھے ہوئے کو غلط ثابت کیا۔ ممکن ہے یہ امتحان کی غرض سے ہو۔ میں نے اپنے موقف کی تائید میں بہت سے دلائل پیش کیے، یہاں تک کہ بحث کافی طول پکڑ گئ۔ اتنے میں حضرت

شیر بہار تشریف لے آئے اور فرمایا: بڑے آدمی ہیں رہنے دو۔

اس واقعہ سے یہ اظہر من الشّمس ہوجاتا ہے کہ آپ کی پیشانی پر بلندئ اقبال کا ستارہ ابتدا ے عمر سے ہی جگمگا رہا تھا۔ شیخ سعدی کے اس شعر

بالاے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

کے آپ حقیقی مصداق تھے۔ ان تمام بزرگوں کے علاوہ حضرت قائد اہل سنت، مناظر اسلام، علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کی صلاحیتوں کے معترف اور مداح تھے۔ جب بھی مظفر پور کے علاقہ میں آنا ہوتا تو جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف میں ضرور قیام کرتے۔ مسائل فقہیہ وکلامیہ میں آپ کو تبحر حاصل تھا۔ پیچید سے پیچیدہ مسئلہ لمحوں میں حل فرما دیتے۔

مولانا عبد الخالق صاحب ساکن پھلہر پرسا، ضلع مدھوبنی، بہار کو ایک مسئلہ میں بہت ہی زیادہ تردد ہوا۔ وہ مسئلہ یہ تھا، ہر بچہ فطرت اسلام پر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس کے لیے انھوں نے بریلی شریف اور مبارک پور کا سفر کیا اور اجلۂ علما سے دریافت کیا لیکن ان کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آیا۔ ایک بار جب وہ رات کو سونے پہنچے تو ان کو خیال آیا کہ مفتی اشرف القادری سے اس کو دریافت کرنا چاہیے۔ حاضر ہوئے اور مسئلہ دریافت کیا: حضرت اشرف العلماء نے ایک منٹ میں اس حدیث کی ایسی تشریح کردی کہ اس کو ان کے دل ودماغ میں اتار دیا۔ اور وہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اللہ نے انھیں کتنا علم دیا ہے؟

میرا علم ساتویں آسمان پر ہے: مولانا صدر عالم تیغی خلف اکبر کا بیان ہے کہ حضرت اشرف العلماء جب کبھی جذب وحال اور صوفیانہ رنگ میں ہوتے تو فرماتے: کسی عالم کا علم پہلے آسمان پر ہوتا ہے، کسی کا دوسرے آسمان پر، کسی کا تیسرے آسمان پر، کسی کا چوتھے آسمان پر، کسی کا پانچویں آسمان پر، کسی کا چھٹے آسمان پر اور کسی کا ساتویں آسمان پر اور میرا علم ساتویں آسمان پر ہے۔

علم دوستی: وفات سے ایک سال قبل کاتب سطور آپ کی عیادت کے لیے اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ برکاتی صاحب دامت برکاتہ کی معیت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ اس ضعف ونقاہت کے باوجود کتابوں کا انبار لگائے ہوئے چٹائی پر بیٹھے ہیں اور شرح بیضاوی کا املا کرا رہے ہیں۔

انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں سارا کام تن تنہا انجام دے رہے ہیں۔ خانقاہ کے تین کمرے ہیں جن میں دو کمروں میں بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور ایک کمرہ آپ کے لیے مخصوص ہے وہی آپ کا دار الافتاء و القضاء بھی ہے اور لائبریری بھی۔ وہی آپ کا آرامگاہ بھی ہے اور وہی درسگاہ بھی۔ نہ کوئی معاون نہ کوئی شریک عمل، نہ کوئی کمپوزنگ اور تبییض و تصحیح کرنے والا آدمی۔ مسودہ کو مبیضہ بھی خود ہی کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! کسی باصلاحیت عالم کو یہاں کیوں نہیں رکھ لیتے؟ وہ کمپوز بھی کر دے گا اور آپ کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹائے گا۔آپ نے جواب دیا: ان کو ہم تنخواہ کہاں سے دیں گے؟

افسوس ہے اس قوم پر جو اپنے اسلاف کو صرف مرنے کے بعد یاد کرتی ہے۔ جو اپنے ہیروؤں کو مرنے کے بعد گلہاے عقیدت پیش کرتی ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر انھیں زندگی میں وسائل و اسباب اور سہولیات فراہم ہو جاتیں تو کئی سو کتابیں تن تنہا لکھ سکتے تھے۔ نہ جانے ہم نے کس طرح ان بیش قیمت ہیروں کو کھودیا ہے۔ جو عالم نما شخص قوم کو بیوقوف بنا کر اس کے پیسے کا بے دریغ غلط استعمال کرتا ہے قوم اس پر سب کچھ نثار کر دیتی ہے۔لیکن جو عالم ربانی اپنی خودداری، اور عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے کسی کے سامنے زبان نہ کھولے اس کی طرف یہ بے حس قوم پلٹ کر بھی نہیں دیکھتی۔اللہ انھیں عقل سلیم عطا کرے۔اس میں ہمارے طبقۂ علما کا بھی بہت زیادہ قصور ہے۔

اشرف العلما کا سفر آخرت: آپ نے وصال سے دو دن قبل اپنے بڑے صاحبزادے مولانا صدر عالم قادری تیغی کو بتا دیا تھا کہ فلاں دن میرا انتقال ہو جائے گا اور وصیت بھی کر دی کہ نماز جمعہ کے بعد میری تدفین کی جائے۔آپ نے وصال سے پہلے جو وصیتیں فرمائیں وہ یہ ہیں:

وصال سے دو روز قبل فرمایا: میرا کفن لے آؤ۔ اور کفن سب سے قیمتی کپڑے کا ہونا چاہیے کیمری کا کرتہ اور رنسوٹ کا ازار لایا گیا۔فرمایا میں انتقال کر جاؤں تو میرے جسد خاکی کو تخت پر نہیں رکھنا بلکہ ایک چٹائی بچھا دینا۔ میری ایک چادر چٹائی پر بچھا دینا اور ایک چادر اوڑھا کر ڈھنک دینا۔فرمایا: جب کوئی بڑا عالم انتقال کر جاتا ہے تو اس کے سر پہ عمامہ باندھ دیا جاتا ہے۔ مگر میری وصیت یہ ہے کہ اگر چاہو تو زیارت کراتے وقت عمامہ باندھ دینا،لیکن قبر میں رکھنے کے

بعد عمامہ اور ٹوپی اتار کر اپنے پاس رکھ لینا۔ میں عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنے رب کے حضور جانا چاہتا ہوں۔

وصال سے پونے دو گھنٹہ قبل آپ کو پیاس لگی۔ فرمایا پانی لاؤ، ہاتھ بڑھا کر پانی لیا پھر رکھ دیا۔ اس وقت آپ ننگے سر تھے۔ پہلے سر پہ کپڑا رکھا پھر پانی نوش فرمایا۔ یہ ہے شریعت پر استقامت کہ مرتے دم تک آپ نے سنت کو ترک نہ کیا۔ جب کہ لوگ اس عالم میں حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں کچھ بھی خیال نہیں رہتا۔ لیکن آپ کو اللہ نے عالم ربانی بنایا تھا اور شریعت کا محافظ بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کیوں کر اپنے آقا کی سنت کو پامال کرتے۔ ۲۴/جنوری بروز منگل، ۲۵/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ کی شب میں ایک بجکر ۳۶ منٹ پر روح قفص عنصری سے پرواز کر گئی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین: آپ کے وصال کی خبر بجلی کی طرح از شرق تا غرب اور شمال تا جنوب، ملک و بیرون ملک میں پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم، انسانوں کا سیلاب، آپ کی زیارت کے لیے امنڈتا ہوا نینھی کی سرزمین پر آنے لگا۔ ۲۸/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/ ۲۷/جنوری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ حسب وصیت آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد صدر عالم قادری تیغی، ناظم اعلی امانت شرعیہ، نیپال نے پڑھائی۔

نماز جنازہ میں اتنی بھیڑ اس وقت تک نیپال کی تاریخ میں کسی عالم دین کے جنازہ میں نہیں دیکھی گئی۔ نیپالی اخبار، گورکھا پتر'' نے ان کی تعداد ڈھائی لاکھ، جب کہ روزنامہ انقلاب، بہار نے ڈیڑھ لاکھ بیان کی اور کاتب سطور اپنے محتاط اندازہ کے مطابق لکھتا ہے کہ شرکاے جنازہ کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

بہر حال اس جنازہ کی شان ہی سب سے الگ رہی۔ اشرف العلماء کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے لوگ کاٹھمنڈو۔ دھن گڑھی، دھران، لہان، مہیندر نگر، اٹھری، جنکپو، آسنسول، بردوان، رانچی، کلکتہ، لدھیانہ، بنگلور، دہلی، ممبئی، کیرلا، مظفر پور، دربھنگہ پورے بہار و نیپال اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے۔

کس نے اتنے لوگوں کو آپ کے وصال کی خبر دی؟ یہ یقیناً بارگاہ رب العزت میں آپ کی

مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل ہے۔ جو مقبولیت ان کو حیات میں نہ ملی تھی بعد وفات توقع سے کہیں زیادہ ملی۔ دوسری خصوصیت اس جنازہ کی یہ تھی کہ اس میں ۵ ہزار سے زائد علما، حفاظ وقرا اور ائمۂ مساجد کی تعداد تھی۔ بلکہ ہر چہار جانب علما ہی کے قافلے نظر آرہے تھے۔ کون شریک ہوئے اور کون شریک نہیں ہوئے کسی کو اس کا اتہ اور پتہ معلوم نہیں۔ تا حد نگاہ، انسانوں کا انبوہ کثیر نظر آتا تھا۔

جن لوگوں کے اسما معلوم ہو سکے ہیں ان میں حضرت مفتی حامد القادری صاحب قبلہ مظفر پور، مفتی شمیم رضا مصباحی۔ صاحبزادہ مفتی حامد القادری۔ مفتی رحمت علی مصباحی، مہتمم جامعہ عبد اللہ بن مسعود، کلکتہ، استاذ العلماء حضرت مولانا سعید حسن خان صاحب، مچپکونی، سیتامڑھی، مفتی فاروق صاحب جھریا بلرام پور، مفتی ہاشم رضا صاحب مظفر پور کے اسما سرفہرست ہیں۔ ترائی نیپال کے تقریباً سارے علمانے شرکت کی۔

مضمون ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا اور بفضل اللہ ایک ہی نشست میں پورا مضمون مکمل ہوا۔ یہ اشرف العلماء علیہ الرحمہ کی روحانیت ہی ہے جو اس فقیر بے بضاعت سے یہ کام لے رہی ہے۔ اخیر میں اس شعر پہ مضمون تمام کرتا ہوں ؎

ابر رحمت تیری مرقد پر گہر باری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

مراجع ومصادر

(۱) أطلس العالم. أشراف ومراجعه ابراهيم حليمي الغوري. ص: ٦٨، دار الشرق العربي للطاعة والنشر، ٢٠٠٦م.

(۲) ا۔ نفس مصدر۔ ص ۶۸

- published in 1993, Shamima Siddiqua,۲Muslim of Nepal

۳- نیپال کا جغرافیہ وتاریخ، حصہ & اول۔ حفیظ الرحمٰن علیگ۔ ۱۹۹۸ء

published in 2007- 18: page, Regmi. Dr,Ancient Nepal(۳)

(۴) نیپال میں اردو زبان وادب۔ڈاکٹر نسیم احمد نسیم۔مطبوعہ ۲۰۰۹ء

(۵) تاریخ مدار عالم،مؤلفہ مولانا سید محضر علی وقاری مداری۔۲۰۱۰ء۔

(۶) ۱-وسیلۂ شرف،مؤلفہ مولانا سید فرزند علی منیری۔ص ۲۲-۲۳۔مطبوعہ ۱۳۱۳ھ از مطبع احسن، پٹنہ۔

۲-گل فردوس دراحوال خواجگان فردوس ص ۲۲۰۔مطبوعہ ۱۳۰۱ھ/ ۱۸۸۴ء از مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ۔

(۷) تذکرہ& مخدوم سید سلطان شاہ احمد چرمپوش۔ص ۴-۵۔(فارسی) قلمی مخطوطہ مرقومہ ۱۲۸۷ھ از سید شاہ محمد نور سہروردی

(۸) پندرہ روزہ رفاقت۔شمارہ ۹۔جلد ۴۔یکم مئی ۱۹۸۴ء

(۹) تالیف محمدی (فارسی) خدابخش اورینٹل لائبریری۔پٹنہ

(۱۰) ۱-اسوۂ حسنہ۔(غوث بنگالہ) از شاہد حسین عظیم آبادی، طبع ثانی ۱۹۸۲ء

۲-غوث بنگالہ۔از مفتی عبدالواجد صاحب، ہالینڈ۔۲۰۱۶ء۔

(۱۱) بروایت قائد ملت، سید محمود اشرف اشرفی کچھوچھوی۔سجادہ نشیں خانقاہ اشرفیہ حسینیہ سرکار کلاں۔

(۱۲) الشرح النوري بشرح عقائد النسفي۔مصنفہ مفتی اشرف القادری۔ص ۸۔مرقومہ: ۲۰/ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

نوٹ: مجلہ ''الھادی''، نیپال کی جانب سے عرس چہلم کے موقع پر اشرف العلماء نمبر شائع کیا جارہا ہے۔ اہل علم وقلم اپنے مضامین اور تأثراتی کلمات درج ذیل پتے پر ارسال کریں۔

Email:(1)alhadimagazine@gmail.com

(2)mhbarar@gmail.com

mob.9871958169

حیات مؤلف-ایک نظر میں

بقلم خود

نام ونسب: محمد رضا قادری

پیدائش: ۹/ذوالحجہ ۱۴۰۴ھ شب جمعرات مطابق ۵/ستمبر ۱۹۸۴ء۔لیکن سندوں میں دی گئی تاریخ پیدائش: ۳/فروری ۱۹۸۴ء ہے۔

والد ماجد: حضرت مولانا محمد عیسیٰ برکاتی، مرید باصفا حضور سید العلما سید شاہ آل مصطفی برکاتی مارہروی قدس سرہ

والدہ ماجدہ: زبیدہ خاتون قادری بنت محمد خورشید عالم بن محمد ہارون بن کتاب علی بن شبراتی میاں

جدمکرم: ذوالمجد والمکارم، حضرت محمد صدیق قادری رضوی قدس سرہ (ولادت: 1921ء تخمیناً وفات: ۱۰/صفرالمظفر ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۳/دسمبر ۲۰۱۳ء بروز جمعہ شب شنبہ۔ ۲۸/رگتے اگہن بکرم سنبت ۲۰۷۰ سال، ۷ بجکر ۱۵ منٹ پر

پردادا: محمد جان بن مولانا محمد مہدی میاں بن پَرَسَن میاں بن نَجُم میاں بن جھلّو میاں

خاندانی پس منظر: راقم سطور کے آبا واجداد کا تعلق ملک یمن سے ہے۔عاصم بن فرج جُحنی یمنی کی اولاد میں سے ''طلحہ بن عدی'' بغرض تجارت سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے۔ان کی اولاد میں سے حضرت نون علی رحمہ اللہ نے لگ بھگ پانچ سو سال قبل دارالحکومت نیپال ''کاٹھمنڈو'' کو اپنا مسکن بنایا اور کاٹھمانڈو کے ضلع ''لِلت پور'' میں قیام فرمایا۔ خاندانی روایات اور بزرگوں کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ نون علی کے دولڑکے ہوئے فہد بن نون اور سعد بن نون ان میں سے کسی ایک کی اولاد نے بہار و نیپال کی سرحد پر واقع موضع ''مٹیہانی''، ضلع مہوتری میں بود و باش اختیار کی، یہاں کتنے دنوں تک آباد رہے کچھ معلوم نہیں، جد امجد کی زبانی کثیر مرتبہ یہ سننے کو ملا کہ ہمارے آبا واجداد ایک زمانے تک کاٹھمنڈو کے ضلع لِلت پور میں مقیم رہے۔انھوں نے فرمایا کہ لگ بھگ ڈھائی سو سال پیشتر جھلّو میاں نے مٹیہانی گاؤں سے اپنے بچوں کے ساتھ ہجرت فرما کر ضلع دھنوشا کی پنچایت اوڑھی وارڈ نمبر ے میں واقع ''کپٹول'' نامی

گاؤں میں سکونت اختیار کر لی جہاں پہلے سے کوئی مسلمان آباد نہ تھا بلکہ یہاں کیوٹ برادری اور دیگر غیر مسلم قومیں آباد تھیں۔ آپ کے آباد ہونے کے بعد ایک اور مسلم خاندان ''بھٹا موڑ'' کے قریب موضع ''بھٹا'' سے ہجرت کر کے یہاں سکونت پذیر ہوا اور آج یہاں انھیں دونوں خاندان کی نسلیں آباد ہیں۔ مرور ایام اور حوادث زمانہ کے باوجود عربوں کی بعض خصوصیات اس خاندان میں محسوس کی جاسکتی ہیں، مثلاً حیرت انگیز قوت حافظہ، علم الانساب میں مہارت، فقیر کے جد امجد کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ پورے گاؤں کے خاندانوں کے شجرہائے نسب چھ سات پشتوں تک، بالتفصیل لکھوا دیے، کون کب، کہاں سے آیا، کس کی اولاد کتنی ہوئیں، کون کہاں مرا؟ وغیرہ، تیسری خصوصیت مہمان نوازی، چوتھی خصوصیت صوتی حلاوت یہ باتیں ہمارے خاندان میں اوپر سے چلی آرہی ہیں۔ باقی علم وعمل اور فضل کے اعتبار سے بھی یہ خانوادہ معروف ہے۔ میرے لکر دادا حضرت مہدی میاں، اپنے زمانے میں علاقہ بھر کی مذہبی ضرورت پوری کیا کرتے تھے۔ جد امجد نے فرمایا: کہ ان کے دادا گھوڑے سے سفر فرماتے اور دربھنگہ ضلع تک کے علاقوں کا تبلیغی دورہ فرمایا کرتے تھے۔ کوئی قرآن مجید پڑھنے میں غلطی کرتا تو فوراً اسے ٹوکتے۔ میلاد، فاتحہ، نکاح اور جنازہ لوگوں کی پڑھاتے تھے۔ ان کے پوتے اور میرے جد امجد حضرت محمد صدیق قدس سرہ اپنے زمانے کے بڑے باخبر لوگوں میں سے تھے۔ ان کی ذہانت وفطانت اور قوت حافظہ کی نظیر پورے علاقہ میں نہیں تھی، اور علم ریاضی میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، بڑا زرخیز دماغ پایا تھا۔ کروڑوں کا حساب وہ سکنڈوں میں زبانی بتا دیا کرتے تھے۔ ریاضی کے مشکل مسائل کو وہ چٹکیوں میں حل فرماتے تھے۔ سنسکرت اور ہندی زبانوں سے اچھی طرح واقف تھے ساتھ ہی ساتھ وید و پران جیسی کتابوں کی لمبی لمبی عبارتیں انھیں یاد تھیں۔ صوم وصلوۃ کے پابند اور درود شریف کے عامل تھے۔ تقریباً ۴۰۰ سے ۵۰۰ مرتبہ درود شریف پڑھ کر سونا ان کے معمول میں شامل تھا۔ بہت بے خوف اور دلیر انسان تھے، متعدد بار شیطانوں نے رات کے وقت میں آپ کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور ڈرایا مگر آپ ان سے خائف نہیں ہوئے، بلکہ ان کے سامنے مقابلہ کے لیے کھڑے ہو گئے جب تک شیطان غائب نہیں ہو جاتا آپ چاقو یا لوہے کی کسی چیز کو اس کی طرف تان کر کھڑے رہتے تھے۔ علما اور مہمان نواز تھے۔ اگر آپ پڑھتے لکھتے تو اپنے عہد کے

بہت بڑے عالم دین ہوتے والد کا بچپن ہی میں وصال ہوگیا اور کسب معاش کے لیے ابتدائی تعلیم بھی ترک کردینی پڑی۔ جدامجد نے راقم سطور سے فرمایا کہ پورا بغدادی قاعدہ ایک سے دو دن میں ہم نے استاذ کو سنا دیا اور کہا یہ تو جوڑتی ہے۔ والد ماجد اپنے اسلاف کے نقش قدم پر ہیں، ان کی دینی و علمی خدمات کو بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہیے۔ میرے عم مکرم حضرت مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی بلند پایہ عالم دین، متعدد مدارس و مساجد کے بانی ہونے کے ساتھ ملک نیپال کے عظیم دینی ادارہ مرکزی ادارۂ شرعیہ، کاٹھمانڈو کے چیف قاضی و مفتی کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی خدمات پر تفصیلی مقالہ لکھا جاسکتا ہے۔

تدریسی خدمات: اکتوبر ۲۰۰۹ء سے اگست ۲۰۱۴ء تک ہندوستان کی معروف دعوتی درسگاہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، ذاکر نگر، نئی دہلی میں بحیثیت پرنسپل و ڈائرکٹر تعلیمات تدریسی خدمت انجام دی اور تخصص فی الادب والدعوہ کے طلبہ کو عربی زبان و ادب، نحو وصرف، ترجمہ، علوم قرآن اور تاریخ عربی ادب جیسے موضوعات کو پڑھایا۔ ۱۰؍جنوری ۲۰۱۵ء سے ارباب حل وعقد مادر علمی جامعہ اشرفیہ کی طلب پر حاضر ہوکر تدریسی خدمات کا آغاز کیا، ہنوز یہیں تدریسی خدمت سے وابستہ ہیں۔

فتاوی نویسی: ۱۴؍فروری ۲۰۱۰ء کو عمائدین اہلسنت کی موجودگی میں ادارۂ شرعیہ دہلی کی ذمہ داری سونپی گئی جس کے بعد سینکڑوں مسائل کے جوابات یہاں سے دیے۔ اگست ۲۰۱۴ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ افسوس یہ کہ اس زمانہ کے فتاوی کا رجسٹر ایک بنگالی طالب علم کو نقل کے لیے دیا گیا جس کو انھوں نے گم کردیا یا کسی طرح سے گم ہوگیا جواب تک مفقود ہے۔

مشاہیر اساتذہ: محدث جلیل، علامہ عبدالشکور مصباحی، سابق شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، خیر الاذکیا، علامہ محمد احمد مصباحی، سابق صدر المدرسین، جامعہ ہذا، سراج الفقہا، حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر المدرسین، جامعہ ہذا، حضرت مولانا محمد اسرار الحق صاحب لہراوی، حضرت مولانا قاری مقری نور الحق مصباحی قدس سرہ، حضرت مولانا عبدالحق مصباحی، حضرت مولانا مفتی محمد بدر عالم مصباحی، حضرت مولانا صدر الوری مصباحی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، (اساتذۂ مبارک پور) حضرت مولانا قاری مقری احمد جمال عزیزی مصباحی، مفتی آل

مصطفی مصباحی، حضرت مولانا محمد صدیق مصباحی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن مصباحی (اساتذۂ جامعہ امجدیہ، گھوسی) حضرت مولانا فروغ احمد اعظمی، حضرت مولانا تفسیر القادری قیامی، حضرت مولانا محمد قمر عالم اشرفی (اساتذۂ جمدا شاہی) حضرت مولانا عرش محمد صاحب، حضرت مولانا خورشید عالم مصباحی، حضرت مولانا محمد جعفر صادق (اساتذۂ مدرسہ عربیہ ضیاء العلوم، ادری) حضرت مولانا صوفی عزیز الرحمٰن صاحب، حضرت مفتی محمد عثمان برکاتی مصباحی، حضرت مولانا احمد حسین برکاتی (اساتذۂ نیپال)۔اپنے عصر کے چند مشائخ سے تبرکا بھی پڑھنے کا شرف حاصل ہوا مثلاً حضرت محدث کبیر، ممتاز الفقہا، علامہ ضیاء المصطفی قادری دامت برکاتہم سے بخاری شریف کے متعدد اسباق، حضرت بحر العلوم، مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہ سے الاشباہ والنظائر کا ایک سبق۔

قاعدہ بغدادی سے یسرنا القرآن تک کی تعلیم

تعلیم وتربیت: مقامی مکتب میں حضرت مولانا محمد حسن رضا مرحوم (ساکن، چتری، ضلع سرہا) اور حضرت مولانا محمد داؤ حسین صاحب (ساکن ہنسپور، ضلع دھنوشا) سے اور گھر پر والدہ ماجدہ سے حاصل کی۔قرآن مجید، فارسی اور ابتدائی اردو کی کتابیں اپنے حقیقی عم مکرم حضرت مولانا محمد احمد حسین برکاتی سے ''اَورنگ''، ضلع سرہا، نیپال نام کی بستی میں پڑھیں۔حفظ قرآن کا باضابطہ آغاز غالباً ۱۹۹۴ء میں جنت نظیر کشمیر کے ضلع جموں توی میں واقع دینی درسگاہ مدرسہ اسلامیہ، غوثیہ، کالج، رانجن میں حضرت قاری ابرار صاحب رامپوری کی درسگاہ میں کیا۔اور تکمیل حفظ دار العلوم حامدیہ، جگدر بازار، میں حضرت حافظ قاری محمد اظہار احمد صاحب کی درسگاہ میں کی، جب کہ دورۂ قرآن، کامل ایک سال، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں حضرت حافظ محمد عمر مبارک پوری دام ظلہ العالی کی بافیض درسگاہ میں کیا۔

سندوں کی تفصیلات:		ڈویژن
سند حفظ قرآن: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی	۱۹۹۹ء	اعلی
مولویت: دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، ضلع بستی، یوپی	۲۰۰۳ء	اعلی
سند عالمیت: الجامعۃ الامجدیۃ الرضویہ، گھوسی، ضلع مئو، یوپی	۲۰۰۵ء	ممتاز

سند روایت حفص: الجامعۃ الامجدیۃ الرضویہ، گھوسی، ضلع مئو، یوپی ۲۰۰۵ء ممتاز

سند فضیلت: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۷ء اعلیٰ

سند قراءت سبعہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۷ء ممتاز

سند اختصاص فی الفقہ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی ۲۰۰۹ء اعلیٰ

بی اے آنرز (اسلامک اسٹڈیز) جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی ۲۰۱۴ء

ایم، اے (تاریخ) مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد ۲۰۱۸ء

اتر پردیش عربی فارسی مدرسہ بورڈ سے: منشی، مولوی، عالم، کامل، فاضل دینیات، فاضل معقولات

شہادۃ نجاح، الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں شریف، ۱۱؍فروری ۲۰۰۷ء ممتاز مع الشرف

۸ تا ۱۱؍فروری ۲۰۰۷ء کو الازہر انسٹی ٹیوٹ، بدایوں شریف کی طرف سے شہید بغداد عالم ربانی حضرت مولانا اسید الحق محمد عاصم قادری ازہری نور اللہ مرقدہ کے زیر اہتمام آل انڈیا مقابلہ علوم حدیث مابین طلبۂ مدارس و جامعات منعقد ہوا جو پانچ مرحلوں میں منقسم تھا، راقم سطور نے تمام مراحل طے کرتے ہوئے مقابلے میں اول پوزیشن حاصل کی جس سے مادر علمی اور وطن عزیز کا نام روشن ہوا۔ دس ہزار روپے نقد مع توصیفی اسناد و کتب بدست حضرت سید محمد اشرف مارہروی برکاتی بطور انعام دیے گئے۔

ڈپلومہ ان پروفیشنل عربک کورس، دو سالہ: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی ۲۰۱۳ء

بیعت و ارادت: ۱۴؍رجب المرجب ۱۴۲۱ھ/ ۲۰؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو جانشین فاتح بلگرام، رئیس الاتقیا حضرت مولانا سید شاہ محمد اویس مصطفی قادری صغروی، دامت برکاتہم العالیہ، سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ، بڑی سرکار، بلگرام شریف کے دست حق پرست پر مدرسہ عربیہ اظہار العلوم جہاں گیر گنج میں بیعت کی، جب کہ میری عمر صرف ۱۶؍سال کے قریب تھی۔

بیعت سلوک: داعی اسلام، قدوۃ السالکین، شیخ طریقت حضرت مولانا صوفی شاہ محمد ظہیر عالم قادری برکاتی، زیب مسند ارشاد خانقاہ عالیہ قادریہ چشتیہ راہ سلوک، چاند پور، ضلع مرادآباد، یوپی کے ہاتھ پر ۲۰۱۱ء کے اواخر میں بیعت سلوک کا شرف حاصل کیا اور سلوک کی پوری تربیت انھیں سے حاصل کی۔

بیعت سلوک نقشبندیہ: ۱۰؍مارچ ۲۰۱۱ء کو شیخ العالم، قدوۃ العرفا حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالیہ۔ سجادہ نشیں خانقاہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ خیریہ، کمال پور شریف کے ہاتھوں پر سلسلۂ نقشبندیہ میں طالب بیعت ہوا۔

اجازت وخلافت: (۱) سلسلۂ عالیہ قادریہ رضویہ نوریہ

خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند، حضرت مفتی قاضی غلام یٰس صاحب، قاضی شہر بنارس دام ظلہ العالی

مؤرخہ ۲۷؍نومبر ۲۰۱۵ء بمقام جنک پور، نیپال

(۲) سلاسل عالیہ قادریہ، چشتیہ، رزاقیہ، سلیمانیہ، فردوسیہ، نقشبندیہ

نبیرۂ حضرت قاضی حمید الدین صدیقی ناگوری دہلوی، حضرت صوفی شاہ محمد رئیس احمد قادری چشتی برکاتی صدیقی، دہلوی (وصال: ۴؍محرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۳؍ستمبر ۲۰۱۸ء) خلیفہ ذاکر خاندان برکات، مفتی مظفر احمد داتا گنجوی، بدایونی (۱۹۳۲ء-۱۴۲۷ھ)

مؤرخہ ۸؍شوال المکرم ۱۴۳۹ھ بمقام چاند پور، مرادآباد

(۳) سلسلۂ قادریہ رضویہ نوریہ

حضرت مفتی محمد انوار الحق مصطفوی، پیچی باغ، بریلی شریف، یوپی

مؤرخہ: ۹؍شعبان ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۶؍اپریل ۲۰۱۸ء بمقام بست پور، سرلاہی، نیپال

(۴) اجازۃ الطریقۃ القادریۃ

فضیلۃ الشیخ السید الشریف احمد فتاح فرج الشیخلی البغدادی قدس سرہ (م ۲۷؍فروری ۲۰۲۱ء)

۶؍صفر المظفر ۱۴۴۱ھ بمقام دولت خانہ صوفی سلطان چشتی، الہ آباد، یوپی

اجازۃ الطریقۃ الرفاعیہ، حضرت سید احمد فتاح فرج الشیخلی البغدادی، ۷؍صفر المظفر ۱۴۴۱ھ

(۵) اجازۃ الطریقۃ القادریۃ الرضویہ

محدث جلیل، استاذ الاساتذہ، حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی حفظہ اللہ ورعاہ، شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مؤرخہ ۷؍صفر المظفر ۱۴۴۱ھ بدولت خانۂ حضرتِ اقدس الہ آباد

(۶) اجازۃ الطریقۃ النقشبندیۃ المجددیۃ

قدوۃ العرفا، شیخ العالم، حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان الخالدی النقشبندی المجددی، دامت برکاتہم العالیہ

مؤرخہ ۸/مارچ ۲۰۲۱ء مطابق ۲۴/رجب المرجب ۱۴۴۲ھ بمقام خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ، خیریہ، کمال پور شریف، تحصیل نارائن پور، ضلع مرزاپور، یوپی

قلمی نگارشات۔ تحقیق، تالیف، ترجمہ وتعلیقات از سنہ ۲۰۰۴ء تا ۲۰۲۱ء

1. شرح ہدایۃ النحو (بحث، اسم وفعل وحرف) سنہ تالیف ۲۰۰۴ء زیر طبع
2. زبدۃ مباحث القطبی سنہ تالیف ۲۰۰۴ء زیر طبع
3. ترجمہ وتعلیق علی مدارک التنزیل سنہ تالیف ۲۰۰۶ء غیر مطبوعہ
4. شرح وتعلیق علی تفسیر القاضی البیضاوی سنہ تالیف ۲۰۰۷ء غیر مطبوعہ
5. ترجمہ وشرح دیوان الحماسۃ لأبی تمام سنہ تالیف ۲۰۰۷ء غیر مطبوعہ
6. دروس بخاری شریف سنہ تالیف ۲۰۰۷ء غیر مطبوعہ
7. حاشیہ مجانی الادب (عربی) سنہ تالیف ۲۰۰۹ء غیر مطبوعہ
8. امام احمد رضا کا فقہی کمال فتاوی رضویہ ج ہفتم کے آئینے میں سنہ تالیف ۲۰۰۹ء زیر طبع
9. الفیوض الجیلانیۃ فی الفتاوی القادریۃ سنہ تالیف ۲۰۰۸-۹ء زیر طبع
10. قادری ڈائری (روزنامچے) سنہ ترتیب از ۲۰۰۶ء تا ۲۰۱۵ء زیر طبع
11. تذکرہ حضرت محمد صدیق قادری ومسلمانان کپٹول سنہ تالیف ۲۰۱۲ء زیر طبع
12. حاشیۃ تاریخ الادب العربی لأحمد حسن الزیات، ڈیڑھ سو صفحات کا (بزبان عربی) ۲۰۱۴ء غیر مطبوعہ
13. مدارس اسلامیہ کا نصاب تعلیم، نظام تدریس اور نظام مالیات سنہ تالیف ۲۰۱۵ء غیر مطبوعہ
14. التصوف یکافح ال إرھاب ویتحدی التطرف الفکري سنہ تالیف ۲۰۱۶ء مطبوعہ
15. نیپال میں اسلام کی تاریخ، ۲۰۱۷ء مطبوعہ
16. نیپال اور نیپالی مسلمانوں کو درپیش چیلنج ۲۰۱۸ء مطبوعہ
17. The Sufism Fights the Terrorism ۲۰۱۹ مطبوعہ
18. सूफीवाद आतंकवाद का अन्त करता है ۲۰۲۰ زیر طبع

19. تصوف کے ذریعہ دہشت گردی کا خاتمہ اور فکری انتہا پسند کو چیلنج ۲۰۲۰ء زیر طبع
20. شخصیات اسلام ۲۰۲۰ء زیر طبع
21. تعمیر امت نیپال ۲۰۲۰ء زیر طبع
22. آئینۂ شعور وآگہی ۲۰۲۰ء زیر طبع
23. اقوال حکمت سنہ تالیف ۲۰۲۰ء زیر طبع
24. منہاج السالکین شرح منہاج العابدین ۲۰۲۰ء غیر مطبوعہ
25. تفسیر القرآن الکریم۔ (پارہ،۲۸،۲۹،۳۰) تقریبا ایک ہزار صفحات پر مشتمل قرآن کریم کی علمی، فکری، لسانی، بلاغی اور سائنٹفک تفسیر۔ ۲۰۲۰ء غیر مطبوعہ
26. القول الصحیح فی تعیین الذبیح سنہ تالیف ۲۰۰۷ء غیر مطبوعہ
27. الموجز فی فقہ اللغۃ العربیہ زیر ترتیب
28. اسفار ومشاہدات ۲۰۲۱ء غیر مطبوعہ
29. الخطبات العزیزیۃ العربیۃ للجمعہ غیر مطبوعہ
30. یادوں کے نقوش ۲۰۲۱ء غیر مطبوعہ

موجودہ مشغلہ: تدریس، تصنیف، تحقیق، عزیز المساجد، جامعہ اشرفیہ میں جمعہ کی امامت وخطابت، دعوت وتبلیغ کے لیے اسفار، تحریک وتنظیم کی ذمہ داریاں، مبارک پور میں ہر ہفتہ دو مقامات پر حلقات ذکر وفکر کا اہتمام اور عوام کی روحانی تربیت۔

عہدے اور ذمہ داریاں: مدرس جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، رکن خانقاہ قادریہ چشتیہ راہ سلوک (انڈیا) سرپرست وخادم اعلی راشٹریہ علما کونسل، نیپال، خادم راہ سلوک سوشل ویلفیر سوسائٹی، نیپال، وسرپرست، کلیہ سیدہ فاطمہ للبنات، جلیشور، ضلع مہوتری، نیپال

ازدواجی زندگی: مؤرخہ ۱۴/جون ۲۰۰۴ء کو الحاج محمد رفیق برکاتی صاحب، ساکن، لوکہا بازار، ضلع مدھوبنی بہار کی صاحبزادی، نازنین بیگم قادری سے عقد نکاح ہوا جن سے (۱) غلام محی الدین جیلانی (۲/جولائی ۲۰۰۶ء) (۲) محمد ارشد القادری (۲۶/جون ۲۰۱۰ء) (۳) عائشہ فاطمہ (۱۶/جون ۲۰۱۲ء) (۴) شاہ ولی اللہ (۲۷/اگست ۲۰۱۵ء) (۵) زہرا بتول قادری

(۹/جون ۲۰۲۰ء) پیدا ہوئے۔

برادران وہمشیرگان: ۱۔محمد حامد رضا ۲۔محمد عاشق رضا۔ حامد رضا پیدائش کے ایک ڈیڑھ ماہ بعد اور عاشق رضا پیدائش کے چند لمحوں بعد وصال کر گئے۔ ۳۔ فاضلہ قاریہ، مفتیہ مہر النسا امجدی، پرنسپل کلیہ فاطمۃ الزہرا للبنات، جنک پور ۴۔ فاضلہ قاریہ زیب النسا امجدی، نائب پرنسپل کلیہ فاطمۃ الزہرا للبنات، جنک پور، دونوں درجۂ فضیلت تک درس دیتی ہیں۔

اسفار وزیارات: اجمیر شریف، مارہرہ شریف، بلگرام شریف، بریلی شریف، دہلی شریف، کلیر شریف، دیوہ شریف، بدایوں شریف، کچھوچھہ شریف۔ ممبئی، کلکتہ، حیدرآباد، سری نگر، جموں، کاٹھمانڈو، پوکھرا، براٹ نگر، بٹول

کشمیر، مہاراشٹر، دہلی، ہریانہ، اتراکھنڈ، جھارکھنڈ، اڑیسہ، بنگال، بہار، کرناٹک، گجرات، پنجاب تلنگانہ بشمول اترپردیش ریاستوں کے اسفار، نیپال میں پردیس نمبر ۱، ۲، ۴، ۵ میں اسفار ہوئے۔

عراق مقدس (۲۰۱۹)، بغداد شریف، کرخ، مدین، کاظمین، بابل، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ وغیرہ۔ قطر (۲۰۱۹ء)۔ دبئی (۲۰۱۹ء)

شخصیاتِ اسلام

تصنیف

محمد رضا قادری

استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

باہتمام

انجینئر محمد شکیل قادری، بیجاپور، کرناٹک

ناشر

کتب خانہ قادریہ (مبارک پور)

وخانقاہِ قادریہ چشتیہ راہِ سلوک، مراد آباد، یوپی